اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دار العلوم - ۴ | فون نمبر دھانشی - ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۹ | نومبر، دسمبر ۱۹۷۳ء

شمارہ نمبر : ۲ | شوال، ذی قعدہ ۱۳۹۳ھ

مدیر

سمیع الحق

اس شمارے میں

بدل اشتراک :- پاکستان میں سالانہ دس روپے - فی پرچہ ایک روپیہ - غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ ہوائی ڈاک دو پونڈ

ناشر :- سمیع الحق استاد دار العلوم حقانیہ۔

مقام اشاعت :- دفتر الحق دار العلوم حقانیہ۔ اکوڑہ خٹک

طابع :- منظور عام پریس۔ پشاور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

مشرقِ وسطیٰ

بیت المقدس کا خطبۂ فتح

اسرائیل سے عربوں کا سترہ روزہ مسلسل جہاد ۲۲ر اکتوبر کو جس نازک موڑ پر آکر رکا اور اس کے بعد معاہدہ اور افہام وتفہیم کے نام سے جو سلسلہ شروع ہوا عالمی طاقتوں کے مسلم کش رویہ کی بناء پر اس کا کھٹکا پہلے ہی دن سے تھا۔ اور اب یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ مشرق وسطیٰ میں حالات آگے چل کر کیا پلٹا کھاتے ہیں۔ مگر اس جنگ سے چند باتیں روز روشن کی طرح عیاں ہوگئیں۔ اور اگر مسلمانوں نے اس سے سبق لیا اور آئندہ اپنی پالیسیوں میں انہیں ملحوظ رکھا تو اس جنگ میں دی ہوئی قربانیاں رائیگاں نہیں سمجھی جائیں گی۔ پہلی بات یہ کہ اسلام نے سارے جہاں کا کفر مسلمانوں کے مقابلہ میں ملتِ واحدہ ہونے کا جو اعلان کیا تھا وہ پچھلے ہر دور کی طرح اب بھی ایک اٹل حقیقت بن کر سامنے آیا۔ صیہونیت کے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے امریکہ نے ڈھٹائی اور بے حیائی کا جو شرمناک کردار ادا کیا اس کی روشنی میں عالم اسلام کو اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔ جنگ میں حالت یہ ہوگئی تھی کہ جانباز عرب مجاہد اسرائیل سے نہیں عالمی سامراجیت کے علمبردار امریکہ سے لڑ رہے تھے امریکہ کے صدر سے لیکر یہودی نژاد وزیر خارجہ کسنجر تک نے کھلم کھلا اپنی سامراج نوازی کا ثبوت دیتے ہوئے یہودیوں کی حمایت کی اور نہ صرف جنگی سلیح بلکہ سیاسی اور سفارتی بنیادوں پر بھی اسرائیل کی بھرپور مدد کی گئی۔ ———

——— من تو شدم تو من شدی کا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ اسرائیل امریکہ کی باہمی گرمجوشی اور اظہارِ تعاون دیکھ کر نہیں کہا جا سکتا کہ امریکہ اسرائیل کا ایجنٹ ہے یا اسرائیل امریکہ کے عزائم خبیثہ کی تکمیل میں لگا ہوا ہے۔ اسرائیل بظاہر امریکہ کا دست نگر ہے۔ مگر لگتا ایسا ہے کہ درحقیقت امریکہ اپنی عالمی قوتوں سمیت مٹھی بھر یہودیوں کی ایک کالونی ہے۔ اپنے طور پر نہ اس کے کچھ اصول ہیں نہ قوانین نہ ضمیر ہے اور نہ کسی آزاد فیصلہ کا اختیار، امریکہ نہ صرف جنگ میں اسرائیل کا آرڈیننس فیکٹری بنا رہا بلکہ بقول بی بی سی کے ایک مخبر کے وہ اب تک تیرہ ہزار ٹن سے زائد اسلحہ اسرائیل پہنچا چکا ہے۔ اور اب تو بحری راستے سے

بھی اسرائیل کو مزید اسلحہ کی ترسیل جاری ہے۔ امریکہ جو ویٹ نام میں اپنی ساری شان و شوکت اور طنطنہ خاک میں ملا چکا ہے، مظلوم اور بے بس عربوں پر اپنی گری ہوئی ساکھ کی عمارت اٹھانا چاہتا ہے۔ وہ درحقیقت نہ صرف عرب دشمنی، اسلام دشمنی اور مسلم کشی کا علمبردار ہے۔ بلکہ اس کی تاریخ پوری بنی نوع انسان کی تباہی و بربادی کے عزائم مشئومہ سے داغدار ہو چکی ہے۔ لیکن اگر وہ ویٹ نام کی شرمناکیاں عربوں کے خون سے دھونا چاہتا ہے تو یہ اس کی بھول ہے۔ جس خدائے حی و قیوم نے اسے ویٹ نام میں ذلیل و خوار کیا ہے وہ فلسطین اور عربوں کی سرزمین کو امریکہ اور اس کے تمام سامراجی عزائم کا قبرستان بنا سکتا ہے۔ امریکہ اگر اپنے اس رویہ پر نظرثانی نہیں کر سکتا تو مسلمانوں کو تو اب اپنے اس ازلی دشمن (بشمول تمام مغربی اقوام) کے بارے میں محتاط ہو جانا چاہیئے۔

اس سلسلہ میں روس کی پالیسی بھی ہرگز لائق تحسین نہیں۔ اور یہ ایک المیہ ہے کہ مسلمان اپنے دشمنوں کو جانتے ہوئے بھی کسی نہ کسی طور پر کسی کافر کے جھوٹے سہارے لینے پر مجبور ہیں۔ اور اس بناء پر عرب بھی کسی نہ کسی طور پر اپنے اس منافق اور دوست نما فریبی دشمن روس کے دامن کا سہارا لئے رہے ہیں۔ مگر اسرائیل کے معاملہ میں امریکہ اور روس ایک ہیں، یعنی ایک اسلحہ فراہم کرتا رہا۔ تو دوسرا یعنی روس اسلحہ چلانے کی افرادی قوت، روسی یہودیوں سے اسرائیل کی رونق بڑھانے میں پیش پیش رہا۔ اگر جنگ کا دارومدار فریقین کے اسلحہ سپلائی کرنے پر موقوف نہ ہوتا۔ اور اس دباؤ سے مجبور ہو کر عرب جنگ بندی قبول نہ کرتے اور محض خدائے حی و قیوم کی نصرت کے بھروسے پر سلامتی کونسل کی قرارداد کو مسترد کر دیا جاتا تو نتائج بلاشبہ بہتر ظاہر ہوتے۔ بہرحال عرب بلکہ تمام مسلمان جنگ کے میدانوں میں جیتی ہوئی لڑائیاں روس کے ہاتھوں مفاہمت اور مصالحت کی میزوں پر ہار بیٹھتے ہیں۔ اور یہ ایک عظیم المیہ ہے کہ مسلمانوں کو دھوکہ، فریب اور سیاسی عیاریوں پر مبنی "جنگ بندی" اور "امن" کے نام سے جن تباہیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس کا متفقہ طور پر انسداد ضروری ہے۔

جنگ کے اچھے نتائج میں سب سے بڑی بات عربوں اور مسلمانوں کا باہمی اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کرنا ہے۔ عربوں کے بارہ میں کہا جاتا تھا کہ وہ کبھی متفق نہیں ہو سکتے۔ مگر اس جنگ میں عربوں نے متحد ہو کر ہر قسم کی جتھہ بندی اور سیاسی وابستگیوں کو بالائے طاق رکھ کر امریکہ، اسرائیل اور سامراج دشمنی کا مظاہرہ کیا۔ شاہ فیصل وغیرہ نے اسی جذبۂ اسلامی و قومی کی بناء پر امریکہ اور ہالینڈ کو تیل کی سپلائی بند کر دی اور مشرق سے لیکر مغرب تک مسلمانوں کی ایک ہی آواز بلند ہوتی جو اسرائیل اور سامراج دشمنی عربوں کی حمایت اور ظلم پر احتجاج کی آواز تھی۔ اگر مسلمان اور عرب بھائی اسی جذبۂ اتحاد و اخوت سے سرشار رہے تو دنیا کی

کوئی طاقت انہیں شکست نہیں دے سکے گی، یہی ہمارے تمام مصائب کا علاج اور ساری پریشانیوں کا مداوا ہے ورنہ اسباب و وسائل کی جو فراوانی مسلمانوں اور عربوں کے پاس ہے، اس کا ہزارواں حصہ بھی اوروں کے پاس نہیں۔

ایک اور بڑی بات اس لڑائی سے یہ پیدا ہوئی کہ اس نے عربوں اور مسلمانوں کا وہ احساس کمتری مٹا دیا جو پچھلی جنگ میں شکست کے بعد حوصلوں کی پستی، یقین میں تذبذب عزائم میں تردد اور دوسری کئی نفسیاتی، نظریاتی اور عملی خرابیوں کا موجب بن رہا تھا۔ یہ زعم باطل اس جنگ میں عربوں نے خاک میں ملا دیا کہ اسرائیل ناقابل تسخیر ہے۔ ایک ہی حملے سے عربوں نے یہود کی کمر توڑ دی۔ ان کی دفاعی لائنیں عربوں نے خس وخاشاک کی طرح روند ڈالیں۔ ایک ہی ترشتہ میں جولان کی رکاوٹیں الٹ کر رکھ دیں۔ اور اگر امریکہ اپنے کرائے کے سپاہیوں اور اسلحہ سے میدان میں نہ آتا تو آج اسرائیل کا نام ونشان مٹ چکا ہوتا۔ کیا یہ جنگ خدا کی بیان کی ہوئی یہودیوں کی ابدی ذلت ورسوائی اور اس کی استثنائی صورت "الا بحبل من الناس" کا ایک اور ثبوت نہیں۔؟

اس جنگ میں ایک دوسری خوشگوار تبدیلی جو محسوس ہوئی وہ عربوں کا پہلے کے مقابلہ میں زیادہ جوش وخروش سے انابت الی اللہ کا جذبہ تھا۔ خدا کی طرف رجوع اس سے طلب فتح ونصرت اس کے دین اور نام کی بلندی کا جذبہ اور ولولہ اپنی کوتاہیوں اور خامیوں پر اظہار ندامت اور اصلاح احوال کی سعی یہ چیزیں مسلمانوں کے لئے فتح وعروج کا بنیادی سرچشمہ ہیں۔ بحمد اللہ اس جنگ میں صبر وثبات کیساتھ ذکر اللہ کا بھی غلغلہ رہا اور تضرع وابتہال کا بھی کہ یہ تو شکستگی اور خستہ حالی کا دور ہے۔ ہمارے اسلاف تو فتح وعروج کی معراج پر سرفراز ہو کر بھی بارگاہ ایزدی میں عجز وتسلیم کے اظہار اور مظاہرۂ عبدیت میں غفلت نہیں برتتے تھے۔ فتح مکہ اور ایسے ہی بعض عظیم فتوحات تو سب کو معلوم ہی ہیں۔

اس بیت المقدس کو لیجیے جس کی بازیابی کا ہر مسلمان متمنی ہے۔ مگر وہ جو ہماری عظمت رفتہ کی آبرو تھی یعنی سلطان ابوالمظفر الملک الناصر صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۔۔۔ ۵۸۳ھ کی لیلۃ المعراج مطابق ۲ر اکتوبر ۱۱۸۷ء کو جب بیت المقدس میں فاتحانہ داخل ہوئے اور پوری دنیا کے اتحادی کا فردن سے اسے آزاد کرایا تو فاتحانہ مسرتوں کے باوجود خداوند کریم کی بارگاہ میں ان پر عجز ونیاز بندگی اور سپردگی کا عجیب عالم طاری تھا ۔۔۔ اور چھوڑیئے صلاح الدین کی تو شان ہی نرالی تھی۔ اس کے بعد اور گویا ایک صدی کے بعد ہم شعبان کو جو پہلا جمعہ مسجد اقصیٰ میں سلطان صلاح الدین کی موجودگی میں پڑھا گیا تاریخ میں ہے کہ

گویا وہ دن یوم مشہود تھا۔ اس تاریخی جمعہ میں خطیب وقت قاضی محی الدین محمد بن زکی الدین علی القرشی نے جو خطبہ دیا اور اب جس پر ہماری غفلتوں اور خود فراموشیوں نے غفلت و نسیان کی تہ بر تہ غلاف چڑھا دئیے ہیں، آئیے تاریخ کے سینہ سے نکال کر اس پر ایک نگاہ ڈال لیں:

الحمد لله معز الاسلام بنصره ومذل الشرك بقهره ومصرف الامور بأمره ومديم النعم لشكره ومستدرج الكفار بمكره الذي قدر الايام دولا بعدله وجعل العاقبة للمتقين بفضله وافاء على عباده من ظله واظهر دينه على الدين كله القاهر فوق عباده فلا يمانع والظاهر على خليقته فلا ينازع والامر بما يشاء فلا يراجع والحاكم بما يريد فلا يدافع ـ فاحذروا عباد الله ـ بعد ان شرفكم الله بهذا الفتح الجليل والمنح الجزيل وخصكم بنصره المبين واعلق ايديكم بحبله المتين ان تقترفوا كبيراً من مناهيه وان تأتوا عظيما من معاصيه فتكونوا كالتي نقضت غزلها من بعد قوة انكاثاً وكالذي آتيناه آياتنا فانسلخ منها فاتبعه الشيطان فكان من الغاوين ـ

والجهاد الجهاد فهو من افضل عباداتكم واشرف عاداتكم انصروا الله ينصركم احفظوا الله يحفظكم اذكروا الله يذكركم اشكروا الله

ساری ستائش اپنی مدد سے اسلام کو عزت دینے والی ذات کے لئے ہے، جس نے شرک کو اپنی قوت سے ذلیل کیا جو اپنی مرضی سے تمام کاموں میں تصرف کرتا ہے، جو نعمتوں کو شکر گزاری کے بدلے دوام دیتا ہے۔ اور جو اپنی تدبیر و حکمت سے کافروں کو ڈھیل بھی، جس نے اپنی شان عدل کی بنا پر اتار چڑھاؤ اور فتح و زوال کو گردش زمانہ بنا دیا اور بالآخر بہتر انجام اور کامیابی پاکبازوں کے لئے مقرر کر دی۔ جس نے اپنے بندوں پر اپنا سایہ کر دیا اور اپنے دین کو سارے ادیان پر غالب کر دیا وہ ساری مخلوق پر غالب ہے کوئی اسے منع نہیں کر سکتا نہ کوئی روک ٹوک کر سکتا ہے۔ پس اے اللہ کے بندو ڈرو اور محتاط رہو جبکہ اللہ نے آپ کو اس فتح مبین، انعام عظیم اور اپنی نصرت و مدد سے نوازا اور دین کی مضبوط رسی تمہارے ہاتھوں میں تھما دی۔ خبردار! اب اس کے منع کئے ہوئے کاموں کے قریب نہ پھٹکنا، کہیں ایسا نہ ہو تم منکرات اور معاصی کے پیچھے پڑ جاؤ۔ پس اس بڑھیا کی طرح ہو جاؤ گے جو اپنے کئے کرائے پر خود پانی

يرمونكم ويشكركم خذوا في حسم الداء
وقطع شافة الاعداء وطهروا
بقية الارض من هذه الانجاس
التي اغضبت الله ورسوله
واقطعوا فروع الكفر واجتثوا
اصوله فقد نادت الايام بالغارات
الاسلامية والملة المحمدية :
الله اكبر فتح الله ونصر غلب الله
وقهر اذل الله من كفر -

پھیر دیتی تھی۔ یا اس شخص کی طرح جسے خدا نے -
واضح نشانیاں دیں اور تعلیمات دیں، مگر شیطان
کے کہنے میں آکر اس نے سب کچھ نظر انداز
کر دیا۔ اور گمراہوں میں شامل ہو گیا۔
اے مسلمانو! الجہاد، الجہاد، کہ یہی
تمہاری بہترین عبادت اور اعلیٰ ترین شیوۂ
حیات ہے۔ تم اللہ کی مدد کرو وہ تمہاری مدد
کرے گا۔ شکر گزار بن جاؤ۔ وہ اپنی قدر افزائی
اور بڑھا دے گا۔ اب بیماری کو جڑ سے نکال
پھینکو۔ اور خدا کی باقی زمین کو بھی کفر و شرک ظلم و فساد کی ان غلاظتوں (کافروں) سے
پاک کر دو جس نے خدا اور اس کے رسول کو ناراض کر دیا۔ کفر کی ساری شاخیں کاٹ
ڈالو۔ اور اسکی پوری بیخ کنی بھی کر دو۔ کہ زمانہ اسلام اور ملت محمدیہ کا ہے۔ اور وقت
اسلامی فتح و عروج کی یاد تازہ کر رہا ہے۔ اللہ بزرگ و برتر ہے۔ اللہ نے فتح و نصرت
دی اور غالب ہوا۔ اور اللہ نے کافروں کو ذلیل و خوار کر دیا۔"

—— مشرقِ وسطیٰ کا جہاد اب بھی جاری ہے۔ اور جب تک ارضِ مقدس کو یہودیوں سے
پاک نہیں کیا جاتا، جاری رہے گا۔ اور جب تک بیت المقدس کی بازیابی کی ذمہ داری سے اسلامیان
عالمِ اسلام سبکدوش نہیں ہو جاتے بیت المقدس کی فضائیں کسی ایسے خطبہ کے لئے ترستی رہیں گی۔

الله اكبر، الله اكبر والعزة لله ولرسوله وللمؤمنين -

والله يقول الحق وهو يهدي السبيل -

سمیع الحق

وحی اور نزولِ قرآن کی حقیقت

حضرت علامہ مولانا شمس الحق افغانی مدظلہ

وحی کے معنے اَلْاِشَارَۃُ السَّرِیْعَۃُ ۔ یعنی اشارہ سے جلد سمجھنا۔ یا اَلْاِعْلَامُ فِیْ خِفَاءٍ ۔ (فتح الباری ابتداء جلد اوّل) یعنی دوسرے کو پوشیدہ طور پر کچھ بتلانا۔ یہ وحی کے لغوی معنی ہیں۔ شرعی معنی الاعلام بالشرع یعنی صرف شرعی احکام بتلانے کا نام وحی ہے۔ وحی لغوی کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ فطری ۲۔ ایجادی ۳۔ عرفانی

۱۔ فطری | فطری جیسے الہامِ الٰہی سے شہد کی مکھیاں چھتہ بنا کر اس میں شہد جمع کرتی ہیں۔ اسی طرح دیگر حیوانات کے کارنامے بھی۔ اسی قسم کی وحی حیوانات سے مختص ہیں۔ قرآن میں ہے:

وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا ط (النحل: آیۃ ۶۸) ہم نے شہد کی مکھیوں کو وحی فطری سے بتلایا کہ تم پہاڑوں میں اپنے لئے چھتہ بناؤ۔

۲۔ ایجادی | جیسے یورپ کے سائنس دان ایک چیز کی ایجاد کیطرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اور اس کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ تو اس مطلوب چیز کی صورت اور نقشہ خالقِ کائنات کیطرف سے ان کے ذہنوں پر فائض ہوتا ہے۔ اور چیز وجود میں آتی ہے۔ مثلاً پہلا شخص جس نے ہوائی جہاز بنانا چاہا، تو اس نے چونکہ قبل از ایجاد ہوائی جہاز نہیں دیکھا تھا۔ اس لئے اس نے ابتداء میں ایک اوپر کو اڑجانے والی چیز کے اجمالی تخیل کو مقصد بنا کر کام شروع کیا، اور اپنا ذہن اس کی طرف متوجہ کیا۔ بار بار کے تجربے کی تکلیف اٹھائی، یہاں تک کہ قدرتِ الٰہی نے ہوائی جہاز کا مکمل نقشہ اُس کے ذہن میں ڈالا۔ موجد کا کام ذہن متوجہ کرنا تھا، خدا کا کام مطلوبہ چیز کا نقشہ ڈالنا۔ یہی وہ وحی و الہام ہے جو عام انسانوں کو ہوتا ہے۔ چاہے غیر مومن ہو۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۔ (بنی اسرائیل آیۃ ۲۰)

یعنی مومن اور غیر مومن دونوں جب کوشش کرتے ہیں تو ہم اُن کو مدد دیتے ہیں تیرے خدا کی بخشش و فیض کسی سے بند نہیں۔

یہی وحی عام انسانوں سے مختص ہے چاہے کافر ہو۔

۳۔ عرفانی | تیسری قسم عرفانی ہے جو اولیاء سے مختص ہے کہ جب کوئی ولی اتباعِ شریعت اور ریاضت سے تزکیہ قلب حاصل کر لیتا ہے۔ تو اس پر خاص علوم، الہام کی راہ سے فائض ہوتے ہیں جس کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے :۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ؕ (عنکبوت آیۃ ۶۹)

جو لوگ راہ دین اور اطاعت میں مجاہدہ کرتے ہیں تو ہم ان پر ہدایت کی خاص راہیں کھول دیتے ہیں۔

یہ ہدایت معارفِ الہامیہ سے ہے جو عام ہدایتِ ایمانی کے علاوہ ہیں۔ کیونکہ ایمانی ہدایت تو مجاہدہ کرنے والے کو پہلے سے حاصل ہے۔ یہ وحی یا الہام اولیاء سے مختص ہیں اور یہ تینوں قسمیں باوجود فرقِ مراتب کے لغوی اور عام معنی میں وحی ہے۔ جو غیر انبیاء علیہم السلام میں پائی جاتی ہیں۔ خواہ حیوان ہو یا انسان، یا اولیاء۔

وحی شرعی

چوتھی قسم وحی شرعی ہے جو صرف انبیاء علیہم السلام سے مختص ہے۔ اگرچہ ہر نبی ولی بھی ہوتا ہے۔ اس لئے وحی عرفانی سے بھی موصوف ہے۔ لیکن نبی کی وحی عرفانی بھی وحی شرعی کی قسم ہے۔ جو قانونی حیثیت رکھتی ہے لیکن ولی کا الہام قانونی حیثیت نہیں رکھتا۔ کتب کلام کا عام مسئلہ ہے ؛

وَالْاِلْهَامُ لَيْسَ بِحُجَّةٍ عِنْدَ الشَّرْعِ ولی کا الہام شرعی قانون نہیں بن سکتا۔

وحی شرعی کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے بواسطہ ملک یا براہِ راست خواب یا بیداری میں الٰہی ہدایت الفاظ کی شکل میں نبی کی ذات میں منتقل ہو جائے۔ اسی حقیقت کو وحی شرعی کہا جاتا ہے۔ اور یہی نبوت کی روح ہے۔ اس تعبیر میں وحی کی وہ تمام شکلیں آجاتی ہیں جو اتقان جلد ۱ صـ۴۴ میں مذکور ہیں۔ وحی اور نبوت کی یہ حقیقت جو آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء پر ختم ہوئی۔ کوئی خلافِ عقل یا ناممکن چیز نہیں اور نہ دنیا کا کوئی فلسفہ اس کی تردید کر سکتا ہے۔ انسان جو خدا کے مقابلہ میں ہر لحاظ سے

ایجاد ہے وہ ایک بیجان آکہ (ٹیپ ریکارڈر) کے ذریعے الفاظ منتقل کر سکتا ہے۔ اور روزانہ ہم اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ تو کیا خالقِ انسان اور خالقِ عالم کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی بیجان آکہ میں نہیں بلکہ ایک مقدس انسان میں الفاظ وحی منتقل کر سکے۔

وحی نبوت | جدید علمی تحقیق کی رو سے بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جو ہم منکرین وحی کی تسکین قلب کے لئے پیش کرتے ہیں۔ صاحب مناہل العرفان نے جلد ۱ صہ ۵۹ یا صہ ۶۱ میں پہلے تنویم مقناطیسی جو مسمریزم کی ایک قسم ہے۔ اس کے ایک جرمن ماہرِ ڈاکٹر (مسمر) کے بیشمار تجربات سے چند ثابت شدہ اصولوں کو پیش کیا ہے، جن میں سے ایک یہ ہے کہ ایک اکمل ترین انسان کے لئے عام عقل کے علاوہ ایک باطنی بلند تر عقل ہوتی ہے کہ اسی عقلِ باطنی سے وہ عالمِ محسوس کے علاوہ عالمِ غیب سے تعلق پیدا کرتی ہے۔ جس سے وہ الفاظ اور معلومات حاصل کر لیتی ہے اور عالمِ غیب سے ایسے امور بیان کرتی ہے۔ جو مادی عالم میں نہیں، لیکن وہ بالکل درست ہوتی ہے۔ اس کے بعد مناہل العرفان کے مصنف نے مصر میں اپنا چشم دید واقعہ ذکر کیا ہے۔ کہ عیسائی مبلغین نے تنویم مقناطیسی کے ذریعے تبلیغ مسیحیت کے لئے مخصوص شخص پر جو ان کی نظر میں عامل کے ساتھ مناسبت رکھتا تھا اثر ڈالنا شروع کیا۔ جس کی وجہ سے عامل یعنی اثر انداز نے معمول کو — یعنی جس پر اثر ڈالنا مقصود تھا — نیم بیہوش کر دیا۔ اور اس سے باتیں شروع کیں کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے اپنا اصلی نام بتلایا۔ عامل نے اپنی روح کی توجہ سے اس میں یہ اثر پیدا کیا کہ تمہارا نام فلاں ہے، یعنی اصلی نام کی بجائے مصنوعی نام بتلایا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ معمول اصلی حالت پر آیا، تو اس نے وہی مصنوعی نام بتلانا شروع کیا اور اپنے اصلی نام سے انکار کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ ایک مخلوق انسان اپنی روح میں (دوسرے مخلوق انسان) اپنے الفاظ کو راسخ اور مضبوط طور پر منتقل کرنے کی قوت حاصل کر سکتا ہے۔ اور ایک انسانی روح کی دوسری انسانی روح پر اثر اندازی ہو سکتی ہے۔ تو کیا خالقِ کائنات مخلوق میں خود یا بتوسط ملک اور جبرائیلؑ، جو لاکھوں انسانوں سے قوی تر ہے کسی مخصوص اور ممتاز شخصیت (نبی) میں الفاظ وحی منتقل نہیں کر سکتا؟ یہی وہ جدید علمی تحقیق ہے جس نے منکرین وحی کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔ اور ان میں بڑی تعداد ماوراء مادہ یعنی روحانی اثرات کی قائل ہو گئی ہے۔ مزید تحقیق دائرۃ المعارف فرید وجدی بحث روح میں ملاحظہ فرمائیں۔ اب یہ مسئلہ شک و شبہ سے بالاتر سمجھا جاتا ہے۔ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ (خاتمہ سورہ فصلت میں) ہم ان منکرین کو دکھائیں گے۔ بیرونی جہالتیں اور خود انسان کی روح میں دلائلِ قدرت کہ ان پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ وحی و نبوت محمدی حق ہے۔

نزولِ قرآن

نزول لغتِ عرب میں کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ کسی جسم کا مکان میں ٹھہرنا جیسے :

نَزَلَ الْاَمِیْرُ الْمَدِیْنَۃَ۔ یعنی امیر نے شہر میں قیام کیا۔

رَبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبَارَکًا۔ط اے میرے رب مجھے برکت والی جگہ میں ٹھہراؤ۔

(سورۃ مؤمن آیۃ : ۲۸)

۲۔ کسی جسم کے اوپر سے نیچی جگہ میں اترنا، جیسے :

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً مُّبَارَکًا۔ط ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اتارا ہے۔

قرآنِ حکیم کے الفاظ جسمیّہ اور مکانیّت سے منزّہ ہے۔ لہذا نزولِ قرآن سے اعلام مراد ہے یعنی خدا کی طرف سے بواسطۂ ملک رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو الفاظِ قرآن بتلانے کا نام نزولِ قرآن ہے۔ اور اس تعبیر میں قرآن کی عظمت و شان بتلانا مقصود ہے[1]۔ کہ انسان کے پاس ایک بلند مقام کی چیز آگئی ہے۔ یا قرآن پر نزول کا اطلاق قرآن کے لانے والے ملک یعنی جبریل کے اعتبار سے ہے کہ وہ بلند مقام سے زمین پر اترا اور اس کا یہ نزول بالواسطہ قرآن کا بھی نزول ہے۔

۳۔ تیسرا معنیٰ نزول کا یہ بھی ہے کہ خود ایک چیز اوپر سے نیچے نہیں آئی۔ لیکن اس کے اسباب عالمِ بالا سے متعلق ہوں، خواہ ارادۂ الٰہیہ ہو یا آسمانی تاثیرات۔ اس اعتبار سے لوہے، مویشیوں اور انسانی لباس اور پوشاک پر بھی قرآنِ حکیم میں نزول کا لفظ استعمال ہوا۔

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْہِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ۔ ہم نے لوہے کو اتارا جس سے جنگ کے ہتھیار بھی بنتے ہیں۔ اور دیگر فائدہ مند چیزیں بھی ...

(الحدید آیۃ : ۲۵)

وَاَنْزَلَ لَکُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِیَۃَ اَزْوَاجٍ۔ط ہم نے تمہارے فائدے کے لئے مویشیوں کے آٹھ جوڑے اتارے ہیں۔

اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ۔ط (الاعراف آیۃ : ۲۶) ہم نے لباس اتارے جو تمہارے بدن پر ہو کر تمہاری شرمگاہوں کو ڈھانکیں۔

---

[1] مناہل جلد ۱ صـ ۴۴

ان تینوں چیزوں کے اسباب سماوی ہیں۔ اس لئے ان کے لئے بھی نزول کا لفظ استعمال ہوا۔
نزول سے پھر دو لفظ مزید بنتے ہیں۔ انزال اور تنزیل۔ تنزیل تدریجاً مختلف اوقات میں اتاری ہوئی چیز کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور انزال کا لفظ عام ہے۔ خواہ کوئی چیز یکبارگی اور دفعۃً اتاری جائے یا آہستہ آہستہ تدریجاً۔ چنانچہ عذاب کے لئے بھی انزال کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جیسے:

اِنَّا مُنْزِلُوْنَ عَلٰٓی اَھْلِ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ۔ (عنکبوت آیۃ: ۳۴) ہم اس بستی والوں پر آسمان سے عذاب اتارنے والے ہیں۔

اور ظاہر ہے کہ عذاب کا نزول دفعۃً ہوا، اور قرآن جس کا اتارنا تدریجاً ہوا۔ اس کے لئے بھی نزول استعمال ہوا ہے۔ جیسے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ[1] (کہف آیۃ: ۱) سب خوبیاں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے اپنے بندے پر یہ کتاب نازل فرمائی۔

قرآن کے تین تنزلات

نزولِ اوّل | بارگاہِ خداوندی سے لوحِ محفوظ میں اس نزول کا قرآن کی اس آیت میں ذکر ہے
بَلْ ھُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِیْدٌ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۔ (البروج آیۃ: ۲۱-۲۲)

نزولِ دوم | لوحِ محفوظ سے سماء الدنیا کے مقام بیت العزۃ میں۔ یہ نزول سورۂ دخان، سورۂ قدر اور سورۂ بقرہ میں مذکور ہے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ[2] اِنَّآ اَنْزَلْنٰہُ فِیْ لَیْلَۃِ الْقَدْرِ[3] شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ[4] یہ دونوں نزول نزول مجموعی شکل میں یکبارگی اور دفعۃً ہوئے مذکورہ آیات میں تعارض نہیں کیونکہ لیلۃ مبارکہ اور لیلۃ القدر ایک ہے۔ اور وہ رمضان المبارک میں ہے۔ لہٰذا بیت العزۃ میں رمضان کے مہینے میں قرآن لیلۃ المبارکہ یا لیلۃ القدر میں اتارا گیا۔ اسی نزول کو صراحت کے ساتھ ابن عباس نے مستدرک حاکم میں اور اسی طرح نسائی اور بیہقی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے۔

نزولِ سوم | بواسطۂ جبرئیل قلبِ نبوی پر ہوا۔ نَزَلَ بِہِ الرُّوْحُ الْاَمِیْنُ ۝ عَلٰی قَلْبِکَ لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِیْنَ ۝ بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُّبِیْنٍ[5] یہ نزول تقریباً تئیس سال میں مکمل ہوا۔ اور

---

[1] مفردات راغب ص۵۰۵ [2] دخان آیۃ ۳ [3] القدر آیۃ ۱ [4] البقرۃ آیۃ ۱۸۵
[5] الشعراء آیۃ ۱۹۳ تا ۱۹۵

قلب سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ معانی القرآن کا نزول ہوا ہوگا، بلکہ الفاظِ قرآن کا نزول تھا۔ اس لئے آیت مذکور میں قلب کے بعد یہ تصریح کی گئی ہے۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ۔ جس میں الفاظ کے نزول کو لسانِ عربی کہہ کر واضح کیا گیا ہے۔ قرآن کا دوبارہ دفعی نزول ہوا۔ اوّل لوحِ محفوظ میں اور دوم سماء الدنیا کی بیت العزت میں، سوم بار تدریجی نزول حضور پر ہوا۔ بخلاف دیگر کتب سماوی کے کہ ان کا نزول صرف ایک بار دفعتہً کتابی شکل میں ہوا۔ قرآن کے لئے دونوں نزول جمع ہوئے۔ جس کی حکمت آسمان کے ملائکہ کو قرآن کی آخری کتاب ہونے کی تعلیم تھی، یا سماء دنیا لانے میں حضورؐ کے اشتیاق کو بڑھانا مقصود تھا کہ محبوب چیز کے قریب ہونے سے شوق میں اضافہ ہوتا ہے۔ یا کمالِ حفاظت اور شک و شبہ کا ازالہ مقصود تھا۔[1]

احقر کا خیال ہے کہ آخری کتاب ہونے کی وجہ سے اس کتاب کی حفاظت کا مکمل انتظام مقصود تھا۔ ایک بار انتظامِ عمومی کی صورت میں قرآن کو لوحِ محفوظ میں محفوظ کیا گیا۔ جو حکومتِ الٰہیہ کا مرکزی محافظ خانہ ہے۔ دوسری مرتبہ بیت العزت میں سماوی حفاظت کا انتظام کیا گیا۔ تیسری مرتبہ حضورؐ کے قلبِ اطہر پر نازل فرما کر آپ کے قلبِ مبارک میں ارضی حفاظتِ قرآن کا انتظام کیا گیا۔ پھر امتِ محمدیہ کے قلوب کو قرآن کی طرف مائل کر کے، چہارم مرتبہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ[2] کے وعدہ کے مطابق امت کے سینوں حفاظتِ قرآن کا انتظام ہوا۔ بعدہٗ ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان کو آمادہ کر کے تحریری صورت میں پانچویں بار حفاظتی انتظام عمل میں لایا گیا۔

جبرائیل نے قرآنی الفاظ کیسے حاصل کئے

اس میں صحیح قول یہ ہے کہ جبرائیل نے الفاظِ قرآن کو اللہ جل جلالہٗ سے سن کر حاصل کیا۔ جیسے بیہقی نے اِنَّا اَنْزَلْنَا کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے۔ اس کی مؤید طبرانی کی حدیث ہے، جو نواس بن سمعان سے مرفوعاً اس نے نقل کی ہے۔

اِذَا تَكَلَّمَ اللّٰهُ بِالْوَحْيِ اَخَذَتِ السَّمَاءَ	یعنی جب اللہ تعالیٰ وحی کے ساتھ کلام کرتا
رَجْفَةٌ شَدِيْدَةٌ مِّنْ خَوْفِ اللّٰهِ	ہے تو آسمان خوفِ خداوندی سے کانپ
فَاِذَا سَمِعَ اَهْلُ السَّمَاءِ صَعِقُوْا	جاتا ہے اور جب آسمان کے فرشتے سنتے ہیں تو

---

[1] مناہل العرفان جلد ۱ ص ۳۶ تا ص ۴۰ [2] الحجر آیۃ ۹

وَخَرُّوا سُجَّدًا فَيَكُونُ أَوَّلَهُمْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ جِبْرِيلُ فَيُكَلِّمُهُ اللّٰهُ بِوَحْيِهِ مَا أَرَادَ فَيَنْتَهِي بِهِ حَيْثُ أُمِرَ۔

بیہوش ہوکر سجدے میں گر پڑتے ہیں سب سے پہلے جبرئیل سر اٹھاتا ہے تو اللہ وحی کے ساتھ اس سے کلام کرتا ہے تو وہ جہاں حکم ہوتا ہے وہیں وحی پہنچا دیتا ہے۔

جبرئیل کی کیفیت تحصیل وحی غیبی معاملہ ہے۔ جس میں رائے کی گنجائش نہیں۔ لہٰذا یہی صورت سب سے ارجح ہے۔ مناہل العرفان جلد ۱ صفحہ ۴۰، اتقان جلد ۱ صفحہ ۴۳ میں جبرئیل کا اللہ تعالیٰ سے بطور تلقف روحانی یعنی روحانی القاء یا لوح محفوظ سے حاصل کرنا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

منزل الفاظِ قرآن | جس طرح ایک انسان نفسِ کلام ذہن میں رکھتا ہے۔ اور پھر الفاظ مرتبہ شکل میں اس کو ادا کرتا ہے، تو چاہے اس کو لاکھوں انسان پڑھ لیں وہ مرتب اوّل کا کلام سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً امرأ القیس کا قصیدہ یا حریری کی مقامات کوئی بھی پڑھے لیکن وہ تدوین اوّل کے اعتبار سے کلامِ امرأ القیس و حریری سمجھا جائے گا۔ اسی طرح اللہ جل جلالہٗ نے اپنے نفسِ کلام کو الفاظِ قرآن کی شکل میں ظاہر فرمایا۔ پھر جبرئیل اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور لاکھوں کروڑوں انسانوں نے اس کو پڑھا لیکن اس کو کلامِ الٰہی کہا جائے گا، نہ کلامِ جبرئیل یا محمد علیہ السلام۔ قرآن میں ہے: حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ اور بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ۔ جس سے الفاظِ قرآن کا منجانب اللہ ہونا اور کلامِ الٰہی ہونا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے۔ اگر مضمون کسی اور کا ہو مثلاً زید کا اور الفاظ مضمون کسی دوسرے کے ہوں۔ مثلاً عمرو کے، تو اس کو کلامِ زید نہیں کہا جائے گا بلکہ کلامِ عمرو کہا جائے گا۔ اس لئے قرآن کے الفاظ و معانی ہر دو منجانب اللہ ہیں اور قرآن اسی کا مرتب کردہ ہے۔ ہم اس سے زیادہ کلامی پیچیدگیوں میں پڑنا نہیں چاہتے کہ اس کا چنداں فائدہ نہیں۔ مناہل العرفان میں مندرجہ بالا مضمون موجود ہے۔

قرآن، سنّت اور حدیثِ قدسی کا فرق

سیوطی نے امام جوینی سے نقل کیا ہے کہ قرآن کے الفاظ اور معانی بتوسط جبرئیل دونوں منزل من اللہ ہیں۔ اور حدیث میں مضمون من جانب اللہ ہے۔ اور عبارت اور الفاظ رسول اللہ کے ہیں[1]۔ حدیثِ قدسی وہ ہے جس کے الفاظ اللہ کی طرف سے ہوں، لیکن معجز نہ ہوں اور نہ ان کے الفاظ کی تلاوت میں وہ ثواب مرتب ہوتا ہو جو قرآن کے ایک ایک حرف پر مرتب ہوتا ہے، اور نہ نماز میں اس کی قرأت مامور ہے[2]۔ احقر کی رائے میں حدیثِ نبوی اور حدیثِ قدسی دونوں کے مضامین من اللہ

---

[1] اتقان جلد ۱ صہ ۴۴ [2] مناہل العرفان فی علوم القرآن جلد ۱ صہ ۴۴

ہیں لیکن حدیثِ نبوی کا انتساب الی اللہ معنوی ہے اور اس کا القاء فی الحقیقت من جانب اللہ ہے لیکن اس کا انتساب صریح الفاظ میں خدا کے حوالے سے بیان نہیں کیا گیا۔ لیکن حدیثِ قدسی میں امرِ الٰہی کے تحت صریح الفاظ میں خدا تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کیطرف انتساب بھی ضروری ہوتا ہے۔ اسی انتساب صریح کی وجہ سے حدیثِ قدسی کے الفاظ کی تبدیلی اور روایت بالمعنیٰ جائز نہیں، لیکن حدیثِ نبوی کی جائز ہے۔ بشرطیکہ اصلی معنوں میں فرق نہ آئے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیثِ قدسی کو حدیث کہا گیا ہے۔ جو الفاظِ نبوی کے لئے مختص ہے۔ لفظ قدسی کا اضافہ انتسابِ صریح کی وجہ سے کیا گیا ہے جس میں حدیثِ نبوی سے اس کی مزید خصوصیت اور اہمیت کا اظہار مقصود ہے۔ واللہ اعلم۔

نزولِ وحی کی قسمیں

وحی بتوسط ملک ہوگی یا بالذات - وحی ملکی کی تین قسمیں ہیں :

۱- وحی تصلصلی ۲- وحی تمثلی ۳- وحی روعی

وحی تصلصلی میں حقیقتِ جبرئیلیہ ملکیت پر برقرار رہ کر القاءِ وحی کرتی ہے جس کو حدیثِ بخاری میں وھو اشدّہ علیّ کہا گیا۔ بشریت اور ملکیت میں عدم تجانس کی وجہ سے بھی اس قسم میں شدت ہے اور حضور علیہ السلام کے عروج الی الملکیۃ کی وجہ سے بھی ہے کہ ذاتِ نبوی میں تصرّف کیا گیا، جو موجبِ شدت ہے۔

دوم وحی تمثلی کہ جبرئیل انسانی صورت میں متمثل ہو کر القاءِ وحی کر دے۔ اس صورت میں جبرئیل نے ملکیت سے بشریت کیطرف تنزّل کیا۔ یہ دونوں قسمیں اور اوّل قسم کا دوم سے اشد ہونا بخاری کی ابتداء میں مذکور ہیں اور عام قرآنی وحی ان دونوں صورتوں میں آئی ہے۔

تیسری قسم روعی ہے کہ جبرئیل قلبِ نبوی میں وحی کا القاء کر دے اور قوّتِ سامعہ اور کان کو اس سے تعلق نہ ہو۔ (اخرجہ الحاکم)

یہ تین اقسام بالواسطہ وحی کی ہیں۔ بالذات وحی کی دو قسمیں ہیں۔ یا بیداری میں جیسے شبِ معراج میں اللہ کی طرف سے براہِ راست رسولِ کریم علیہ السلام کو وحی ہوتی یا خواب میں جیسے حدیثِ معاذ میں ہے۔ اَتَانِیْ رَبِّیْ فَقَالَ فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰی۔ یعنی خواب میں خدا میرے پاس آئے اور فرمایا کہ عالمِ بالا کے فرشتے کس چیز میں بحث کرتے ہیں۔ (اتقان جلد ۱ صفحہ ۴۶،۵۰)

بتصرف وتقضیاً (یعنی بیداری میں) کَمَا فِی الْوَحْیِ لَیْلَۃَ الْاِسْرَاءِ مِنْ اِیْجَابِ الصَّلٰوۃِ الْخَمْسِ وَخَوَاتِیْمِ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ۔

■■

جناب نور محمد غفاری۔ ایم۔ اے

تفسیر اور علمِ تفسیر

معانی

انواع

لوازمات

ضرورت

معنی | تفسیر ــ حرفی مادہ "فسر" سے تفعیل کے وزن پر ہے۔ "فسر" کے معنی بیان (واضح کرنا) اور کشف (کھولنا) کے ہیں۔ اس مادہ "فسر" سے جتنے الفاظ بنتے ہیں۔ ان کے معنی تشریح و توضیح کے ہوتے ہیں۔ اور اسی سے تفسیر ہے۔ کیونکہ اس میں عبارت کو کھول کر معنی کی وضاحت کی جاتی ہے۔

ایک دوسرے قول کے مطابق، تفسیر کا ماخذ "تفسرۃ" ہے۔ تفسرۃ اس قوت کا نام ہے جس کے ذریعہ طبیب مرض کی شناخت کیا کرتا ہے۔ اسی وجہ سے تفسیر کے معنی میں ہر وہ چیز شامل ہے۔ جس سے کسی دوسری چیز پر استدلال کر کے اس کی حقیقت کا ادراک کیا جا سکے۔ اگر بیک وقت فسر اور تفسرۃ دونوں کو تفسیر کا ماخذ قرار دیا جائے تو بھی درست ہے۔ ان دونوں کے معنی اور مفہوم میں نہایت عمدہ تطبیق ممکن ہے۔ مثلاً پہلے لفظ فسر کے معنی بیان اور کشف یا اظہار کے ہیں۔ دوسرا لفظ تفسرۃ اس قوت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ جس کے ذریعے طبیب مرض کی شناخت کرتا ہے۔ اب اگر طبیب سے مراد مفسر لیں تو "تفسرۃ (بمعنی قوت) وہ علمی یا ذہنی قوت ہے جس کی مدد سے وہ قرآنی معارف اور رموز کا پتہ چلاتا ہے۔ اور فسر (بمعنی کشف و بیان) وہ قوتِ استدلال ہے جس کے ذریعے وہ ان معلوم کردہ رموز کی عقدہ کشائی کرتا ہے۔ (واللہ اعلم)

تعریف | سادہ لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ تفسیر سے مراد ہے۔ قرآن مجید کی عبارت کو اس طرح واضح کرنا کہ احکام الٰہیہ معلوم ہو سکیں۔ اور ان پر عمل پیرا ہو کر خداوند قدوس کی رضا حاصل کی جا سکے۔ مگر مختلف علماء امت نے مختلف اوقات میں اپنے اپنے انداز پر علمِ تفسیر کی تعریف کی ہے۔ چونکہ جو کچھ ان سے منقول اور فرمودہ ہے۔ وہی ہمارے علم اور بالخصوص علمِ دین کی اساس ہے۔ لہذا یہاں چند

ایک اقوال ان بزرگانِ امت کے درج کئے جاتے ہیں۔ علامہ زرکشی فرماتے ہیں:

"تفسیر ایسا علم ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی وہ کتاب سمجھی جاتی ہے جسے اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے۔ اور اسی علم کے ذریعے کتاب اللہ کے معانی کا بیان، اس کے احکام کا استخراج اور اس کے حکم کو معلوم کیا جاتا ہے۔ اور اس افہام و تفہیم کے سلسلہ میں علم لغت، علم نحو، علم صرف، علم بیان، علم قراۃ اور علم اصول فقہ سے مدد لی جاتی ہے۔ اور اس میں اسباب نزول اور ناسخ و منسوخ کی معرفت کی بھی حاجت پیش آتی ہے۔" (البرہان - علامہ محمد بن عبداللہ الزرکشیؒ)

علامہ ابوحیان الاندلسیؒ نے فرمایا:

هُوَ عِلْمٌ يُبْحَثُ عَنْ كَيْفِيَّةِ النُّطْقِ بِأَلْفَاظِ الْقُرْآنِ وَمَدْلُولَاتِهَا وَأَحْكَامِهَا الْإِفْرَادِيَّةِ وَالتَّرْكِيبِيَّةِ وَمَعَانِيهَا الَّتِي تُحْمَلُ عَلَيْهَا حَالَةَ التَّرْكِيبِ وَتَتِمَّاتٌ لِذَٰلِكَ۔ (بحر المحیط)۔

تفسیر ایک ایسا علم ہے جس میں الفاظ قرآن کی کیفیت نطق، ان کے مدلولات اور احکام افرادیہ اور ترکیبیہ اور ان کے معانی سے بحث کی جاتی ہے۔ جن پر بحالت ترکیب ان الفاظ کو محمول کیا جاتا ہے۔ اور اس بات کے تمات بھی تفسیر میں داخل ہیں۔

اس تعریف کی تشریح خود حضرت ابوحیانؒ نے ان الفاظ میں کی ہے:

"تفسیر کی تعریف میں ہمارا قول "علم" جنس ہے۔ اور ہمارا یہ قول کہ "يُبْحَثُ فِيهِ عَنْ كَيْفِيَّةِ النُّطْقِ بِأَلْفَاظِ الْقُرْآنِ" علم قرأت ہے۔ اور ہمارے قول "مَدْلُولَاتِهَا" سے انہی الفاظ کے مدلولات مراد ہے۔ اور یہ علم لغت کا متن ہے۔ جس کی ضرورت اس علم میں پڑتی ہے۔ اور ہم نے "أَحْكَامِهَا الْإِفْرَادِيَّةِ وَالتَّرْكِيبِيَّةِ" اس واسطے کہا ہے کہ یہ قول صرف، بیان اور بدیع کے علوم پر مشتمل ہے۔ اور ہمارا قول "وَمَعَانِيهَا الَّتِي تُحْمَلُ عَلَيْهَا حَالَةَ التَّرْكِيبِ" ان چیزوں کو بھی شامل ہے۔ جن پر وہ لفظ از روئے حقیقت دلالت کر رہا ہے۔ یا از روئے مجاز۔ کیونکہ ترکیب کبھی اپنے ظاہر کے لحاظ سے ایک شئے کی مقتضی ہوتی ہے۔ مگر چونکہ اس کو اس شئے پر محمول کرنے سے کوئی مانع ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ کسی اور شئے پر محمول کر دی جاتی ہے۔ اور اسی بات کا نام مجاز ہے۔ اور ہمارا قول "تَتِمَّاتٌ لِذَٰلِكَ" معرفتِ نسخ، اسباب نزول اور ایسے قصہ کی شناخت

پر دلالت کرتا ہے۔ جو قرآن کی بعض مبہم باتوں کی توضیح کرتا ہو اور اسی طرح دوسری باتوں کی۔"
(بحوالہ الاتقان فی علوم القرآن نوع ۸۰)

بعض دیگر علماء نے کہا ہے:

"تفسیر اصطلاح میں نزول آیات، شان نزول کے علم کو کہا جاتا ہے۔ اور اس بات کے جاننے کو بھی تفسیر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کہ آیات قرآن کے مکی و مدنی، محکم و متشابہ ناسخ و منسوخ، خاص و عام، مطلق و مقید، مجمل و مفسّر، حلال و حرام، وعدہ وعید، امر و نہی اور عبرت و امثال ہونے کی ترتیب معلوم ہو۔" (الاتقان نوع ۸۰)

الغرض، تفسیر سے مراد معانی القرآن کی وضاحت اور ان کی منشاء کا بیان ہے۔ یہ بیان قواعد عربی کے مطابق آیات کے شان نزول، ان کی کیفیت، ان کی سند اور ان کے طرز استدلال کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہوگا ۔۔۔۔۔۔

تفسیر سے ملتا جلتا ایک لفظ "تاویل" ہے۔ اس بات میں علماء اصول کا اختلاف ہے کہ آیا تفسیر اور تاویل ایک ہی مفہوم کے دو رخ ہیں یا ان میں اختلاف ہے۔؟ مگر ہم پہلے ذرا لفظ تاویل پر بحث کرتے ہیں۔ پھر انشاء اللہ ان دونوں کے تطابق اور تضاد پر روشنی ڈالیں گے۔

تاویل | تاویل کی اصل "الاوّل" ہے۔ جس کے معنی پھیرنا یا لوٹانا، رجوع کرنا، بازگشت وغیرہ ایک دوسرے قول کے مطابق "تاویل کا ماخذ "الایالۃ" ہے۔ جس کے معنی ہیں سیاست یعنی حکمرانی اور انتظام سلطنت، گویا کلام کی تاویل کرنے والے نے اس کا انتظام درست کر دیا۔ اور اس ہی معنی کو اس کی جگہ پہ رکھ دیا۔

اصطلاحاً مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کی عبارت کا مطلب ظاہر ہے، باطن کیطرف پھیرا جائے۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تاویل کے معنی ہیں کلام کے کوئی ایسے معنی بیان کئے جائیں جو ظاہری معنی کے خلاف ہو۔"
(الفوز الکبیر، باب چہارم فصل دوم)

تاویل کے اصطلاحی معنی کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اور قرآن مجید کے بتائے ہوئے ان سب لغوی معنی کو شامل ہے:

۱۔ تعبیر ۲۔ حجت ۳۔ انجام ۴۔ اصل مدعا ۵۔ باطنی مفہوم
۶۔ عملی ثبوت۔

اب ان میں سے ہر ایک کی مثال دیکھئے۔

۱۔ تعبیر ارشاد ہے:

وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ۖ (یوسف: ۱۰۰)

اور یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا۔ اور وہ (دونوں) ان (حضرت یوسفؑ) کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ تو انہوں نے کہا اے ابا جان! یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔ میرے پروردگار نے (اسے) درست کر دکھایا۔

یہاں اس خواب کی تعبیر بیان کی جا رہی ہے جو یوسف علیہ السلام نے دیکھا تھا۔

۲۔ حجت

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۔ (یونس: ۳۹)

بلکہ جھٹلایا۔ انہوں نے اس چیز کو جس کا وہ علم نہیں رکھتے تھے۔ اور نہ ان کے پاس اس تحقیق حجت پہنچی تھی۔

۳۔ انجام

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۔ (نساء: ۵۹)

اے ایمان والو! اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جو تم میں صاحب اقتدار ہیں انکی اطاعت کرو۔ اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو۔ پھر اگر تمہارے (اور صاحب اقتدار کے) درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو اگر تم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو ایسے متنازعہ فیہ امور کو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصل کراؤ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور انجام کے اعتبار سے اچھا ہے۔

۴۔ اصل مدعا

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۔ (یوسف: ۶)

اور اس طرح تیرا پروردگار تجھے برگزیدہ کریگا اور تجھے باتوں کی تاویل (اصل مدعا) بتانا سکھائے گا۔

۵۔ باطنی مفہوم

ذٰلِكَ تَأْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا۔ (الکہف: ۸۲)   یہ ہے حقیقت (باطنی مفہوم) اس چیز کی جس (کے نہ جاننے) پر تو صبر نہ کر سکا۔

دراصل اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کی ملاقات اور خضر علیہ السلام کے ان افعال کی اصل حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ جن کی وجہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نہ جان سکے اور انہیں ظاہر پر محمول کر کے حضرت خضر علیہ السلام کو بار بار ان کے فعل پر ٹوکتے تھے۔ مگر جب حضرت خضر علیہ السلام نے انہیں باطنی مراد بتائی تو مطمئن ہو گئے۔

۶۔ عملی ثبوت

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ۔ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۔ (الاعراف: ۵۲)

کیا وہ نہیں منتظر مگر اس (قیامت) کی حقیقت کے ظاہر ہونے کے۔ تو جس دن اسکی حقیقت ظاہر ہوگی۔ تو وہ لوگ جو پہلے اس (دن) کو بھول چکے تھے، کہیں گے تحقیق آئے تھے ہمارے پاس پروردگار کے رسول حق کے ساتھ۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں:

"یعنی کافر راہ دیکھتے ہیں کہ اس کتاب میں خبر ہے عذاب کی ہم دیکھ لیں کہ ٹھیک پڑے تب قبول کریں۔ سو جب ٹھیک پڑے گی، تو خلاصی کہاں پڑے گی؟ خبر اسی واسطے ہے کہ آگے بچاؤ پکڑیں۔"

اس تفسیر سے یہی مفہوم مترشح ہے۔ کہ وہ قیامت کا عملی ثبوت چاہتے تھے۔

تاویل کا علم ایک بیش بہا ملکہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تاویل الاحادیث یعنی باتوں کا باطنی مفہوم اور تاویل رؤیا یعنی خوابوں کی تعبیر کی اہلیت عطا کی تھی جس نے انہیں زنداں سے نکال مصر کے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا تھا۔

تفسیر اور تاویل میں فرق

تفسیر اور تاویل کے اس مختصر تعارف کے بعد اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کیا تفسیر اور تاویل ایک ہی مفہوم و مدعا کے تعبیری الفاظ ہیں یا ان دونوں میں کوئی فرق ہے؟ اس بارے میں سلف صالحین

اختلاف رائے رہا ہے۔ اور تمام علماء دو گروہوں میں بٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔

(. تضاد کے قائل۔　　ب۔ تطابق کے قائل۔

(. تضاد کے قائل | اس گروہ کی تعداد بہ نسبت دوسرے کے زیادہ ہے اور ان کے اقوال کا سلسلہ نہایت طویل ہے۔ چند اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

امام راغب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تفسیر بہ نسبت تاویل کے عام تر چیز ہے۔ اور اس کا زیادہ استعمال مفرد الفاظ میں ہوا کرتا ہے۔ اور تاویل کا استعمال اکثر معانی اور جملوں میں آتا ہے۔ پھر زیادہ تر تاویل کا استعمال کتب الٰہیہ کے بارے میں ہوتا ہے۔ اور تفسیر کو کتب سماویہ اور دوسری تمام کتابوں کے بارے میں استعمال کر لیتے ہیں۔"

گویا تفسیر عام چیز ہے اور تاویل خاص ——— ایک اور عالم کا قول ہے:

"تفسیر ایسے لفظ کے بیان کا نام ہے جو صرف ایک ہی پہلو کا حامل ہو مگر تاویل ایک مختلف معانی کے حامل لفظ کو ان ہی معنی میں سے کسی ایک کی طرف لوٹانے کا نام ہے۔ اور یہ چیز دلیلوں سے ظاہر ہوتی ہے۔"

ابو منصور ماتریدیؒ کا قول ہے:

"تفسیر اس یقین کا نام ہے کہ لفظ سے یہی امر مراد ہے۔ اور اللہ تعالیٰ پر اس گواہی دینے کا نام ہے کہ اس نے لفظ سے یہی مراد لی ہے۔ لہٰذا اگر اس کے لئے کوئی یقینی دلیل قائم ہو تو وہ تفسیر صحیح ہے۔ ورنہ تفسیر بالرائے ہوگی جس کی ممانعت آئی ہے۔ اور تاویل اس کو کہتے ہیں کہ بہت سے احتمالات میں سے کسی ایک کو بغیر یقین اور شہادت الٰہیہ کے ترجیح دی جائے۔"

ابو طالب ثعلبیؒ نے فرمایا:

"تفسیر لفظ کی وضع کو بیان کرنے کا نام ہے۔ حقیقۃً ہو یا مجازاً۔ جیسے "الصراط" کی تفسیر "الطریق" کے ساتھ اور "صیب" کی تفسیر "مطر" (بارش) کے ساتھ کرنا اور تاویل لفظ کے اندرونی (مدعا) کی تفسیر کا نام ہے اور یہ "الأول" سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں انجام کار کی طرف رجوع کرنا، لہٰذا تاویل حقیقت مراد کی خبر دینا ہے اور تفسیر دلیل مراد کی خبر دینا کیونکہ یہ لفظ مراد کو کشف (بیان) کرتا ہے۔ اور کاشف

ہی دلیل ہوتا ہے۔ مثلاً ارشاد باری ہے: "اِنَّ رَبَّکَ لَبِالْمِرْصَادِ" اس کی تفسیر یہ ہے کہ "مرصاد" "رصد" سے ماخوذ ہے۔ اور کہا جاتا ہے "رَصَدْتُہٗ" (میں نے اس کی نگرانی کی اور تاک رکھی۔) اور "مرصاد" "رصد" سے "مفعال" کے وزن پر ہے۔ اور اس آیت کریمہ کی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قول سے اپنے حکم کی بجاآوری میں سستی کرنے اور اس کے لئے تیار اور مستعد رہنے میں غفلت برتنے کے برے انجام سے خوف دلایا ہے۔ اور قطعی دلیلیں اس لفظ کی لغوی وضع کے خلاف معنی مراد ہونے کا بیان کرنے کی مقتضی ہیں۔"

ابو محمد عبد اللہ اصفہانیؒ نے اپنی تفسیر میں اس طرح بیان کیا ہے:

"معلوم رہے کہ علماء کی اصطلاح میں تفسیر سے معانی قرآن کی وضاحت اور ان کی مراد بتانا مقصود ہے۔ عام ازیں کہ لفظ کے اعتبار سے مشکل وغیرہ کی قسم سے ہو یا معنی کے اعتبار سے ظاہر وغیرہ کی قسم سے۔ اور تاویل اکثر جملوں میں ہی ہوتی ہے۔ اور تفسیر کا استعمال یا تو اکثر غریب الفاظ میں ہوتا ہے۔ جیسے "بحیرۃ" "السائبۃ" اور "الوصیلۃ" میں یا کسی وجیز میں بطور شرح کرنے کے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (البقرہ) نماز قائم کرو، اور زکوٰۃ دیا کرو۔

میں اور کسی ایسے کلام میں تفسیر کا زیادہ استعمال ہوتا ہے۔ جو کسی قصہ پر مشتمل ہو اور اس کلام کا سمجھنا اس قصہ کی معرفت کے بغیر ممکن نہ ہو۔ مثلاً:

اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ۔ (توبہ-۳۷) مہینوں کا آگے پیچھے کر دینا بھی کفر کی زیادتی ہے۔

اور دوسرا ارشاد:

لَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُھُوْرِھَا۔ نیکی اس کا نام نہیں کہ تم گھروں میں ان کی چھتوں کے راستے سے آؤ۔

اور تاویل کا استعمال کبھی عام طور پر ہوتا ہے۔ اور کبھی خاص امر کے انداز پر جیسے لفظ "کفر" کہ یہ کبھی مطلق جحود کے واسطے بولا جاتا ہے۔ اور کبھی خاص باری عزوجل کے جحود کے بارے میں اس کا استعمال ہوتا ہے۔ یا "ایمان" کا لفظ یہ کہیں مطلق تصدیق کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ اور دوسری جگہ تصدیق حق کے معنی میں، اور یا اس کا استعمال مختلف معانی میں مشترک لفظ میں ہوتا ہے۔ جیسے کہ "وجد" کا لفظ "الجدۃ"، "الوجد" اور "الوجود" کے

معنی میں بالاشتراک استعمال ہوتا ہے"۔

ایک اور عالم کا فرمودہ ہے کہ تفسیر کا تعلق روایت سے ہے۔ اور تاویل کا تعلق درایت سے ہے

ابونصر القشیریؒ فرماتے ہیں:

"تفسیر کا تعلق محض پیروی اور سماع سے ہے۔ اور تاویل کا تعلق استنباط سے ہے"

بعض علماء کا قول ہے کہ جو بات کتاب اللہ میں بیّن اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں معیّن واقع ہوتی ہے۔ اس کو تفسیر کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے معنی ظاہر اور واضح ہو چکے ہیں اور کسی شخص کو بذریعہ اجتہاد اور بلا اجتہاد ان کے معانی کے ساتھ کرنے کا یارا نہیں رہ گیا ہے۔ بلکہ ان الفاظ کا حمل خاص اپنی معانی پر کیا جائے گا جو ان میں استعمال ہوئے ہیں۔ اور ان معانی کی حد سے تجاوز نہ ہو گا۔

اور تاویل وہ ہے جس کو معانی خطاب کے باعمل علماء نے اور آلات علوم کے ماہر ذی علم اصحاب نے استنباط کیا ہو۔

چند دیگر علماء جن میں علامہ بغویؒ اور کواشیؒ بھی ہیں کہتے ہیں:

"تاویل آیت کو ایسے معانی کی طرف پھیرنے کا نام ہے۔ جو اس کے ماقبل اور مابعد کے ساتھ موافق و مطابق ہوں اور آیت ان معنی کی متحمل ہو۔ پھر وہ معنی استنباط کے طریق پر بیان کئے جائیں اور کتاب و سنت کے مخالف نہ ہوں۔"

ب۔ تطابق کے قائل | ابوعبیدہؒ اور ان کے ہم خیال حضرات کا موقف یہ ہے کہ ان دونوں لفظوں کا ایک ہی معنی ہے۔ اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ اس گروہ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا:

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا۔ (فرقان: ۳۳)	اور یہ لوگ تمہارے پاس جو اعتراض کی بات لاتے ہیں۔ ہم تمہارے پاس اس کا معقول جواب بھیج دیتے ہیں اور بات کی بہترین تشریح کر دیتے ہیں۔

اور قرآن مجید کی مراد اور منشاء کو اللہ تعالیٰ نے تاویل کے لفظ سے بھی تعبیر کیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللهُ۔ (آل عمران: ۷)	اور اس کی تاویل اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔

ان آیات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ تفسیر اور تاویل کا مفہوم و مدعا ایک ہی ہے۔ (باقی آئندہ)

اسرائیل کے قیام سے لے کر حالیہ عرب اسرائیل جنگ تک

قادیانیوں کا کردار اور شرمناک سرگرمیاں

جناب زاہد شاہین صاحب ایم۔اے

مرزا غلام احمد کے بیٹے مرزا محمود نے ۱۹۲۴ء میں فلسطین میں رہ کر وہاں کے انگریز گورنر سر کلیپٹن سے سازباز کر کے اسرائیل کے قیام کیلئے لائحہ عمل مرتب کیا ۱۹۲۷ء میں وہاں قادیانی مشن قائم ہوئے اور عالم عرب اور فلسطینی حریت پسندوں کی جاسوسی اور تخریب کاری کے لئے صیہونیت کی مالی اعانت اور سرپرستی میں ایک وسیع جال بچھایا گیا، نہ صرف حالیہ عرب اسرائیل جنگ بلکہ اس سے قبل تین جنگوں میں قادیانیوں نے یہود کی ہر سطح پر اعانت کی حالیہ لڑائی میں بھی قادیانی، اسرائیل کے ایسے وفادار رہے جیسے کہ برطانوی دور میں یہ انگریز کے گماشتے تھے۔ اس وقت اسرائیل میں قادیانی مشن بھارتی مشن سے مل کر شرمناک سیاسی کارروائیوں میں مشغول ہے۔ اسرائیل میں عیسائیت کو ختم کرنے کیلئے تو تحریکیں چلائی گئیں مگر اب تک یہودیوں نے قادیانیوں کی سرگرمیوں میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی بلکہ ہر طرح تحفظ دیا۔ ایسے شرمناک واقعات سے قادیانیت کا پوسٹ مارٹم کرنے والے مرد مجاہد زاہد شاہین پردہ اٹھاتے ہیں، جو الحق کے اس شعبہ کے سپیشلسٹ مضمون نگار ہیں۔

— ادارہ —

احادیث میں آتا ہے کہ آخری زمانہ میں دجال خروج کرے گا، جو یہودیوں میں سے ہوگا۔ یہودی ایک طویل عرصے سے ایسے مسیح موعود کے انتظار میں ہیں جو خدائی پیش گوئیوں کے مطابق بنی اسرائیل کو ملک ملک سے لا کر فلسطین میں جمع کر کے ان کی ایک زبردست ریاست قائم کرے گا۔ خدا تعالیٰ نے یہود کو ذلت

سے نجات دینے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا، لیکن یہودیوں نے ان کی مسیحیت کو تسلیم نہ کیا۔ مسیح موعود کے انتظار ہی میں یہود نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ اور ہمیشہ کی ذلت وخواری کو اپنا مقدر بنالیا۔ انیسویں صدی میں ڈاکٹر ہرزل نے یہودی ریاست کے قیام کے لئے صیہونی تحریک کی بنیاد رکھی[1]۔ اور دنیا کے مختلف علاقوں میں ایسے مسیح موعود کھڑے کئے گئے جو یہودی مفادات کے محافظ تھے۔ لندن، امریکہ، مشرقی یورپ[2] اور ہندوستان میں بیک وقت مختلف لوگوں نے مسیح موعود ہونے کے دعوے کئے۔ اور درپردہ صیہونیت کے پروگرام کو آگے بڑھایا۔ ہندوستان میں صیہونی یہودیوں کا نمائندہ دجالی مسیح موعود مرزا غلام احمد قادیانی تھا، اس کو احادیث میں مذکور آنے والے عیسیٰ ابن مریم سے قطعاً کوئی نسبت نہیں۔ کیونکہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ جب عیسیٰ علیہ سلام نزول فرمائیں گے تو اللہ تعالیٰ دجال کو افیق کی گھاٹی (جو شام اور اسرائیل کی سرحد پر واقع ہے) کے قریب ہلاک کردے گا۔ (مسند احمد)۔ یہودی چن چن کر قتل کر دیئے جائیں گے۔ اور ملت یہود کا صفایا ہوجائے گا۔

لیکن دجالی مسیح موعود مرزا قادیانی نے برطانوی سامراج کے تعاون اور صیہونی یہودیوں کی اعانت سے ملتِ اسلامیہ کو پارہ پارہ کرنے اور ان کی اجتماعیت کو توڑنے میں انتھک کوشش کی۔ اس نے عرب ممالک میں اپنے جاسوس بھیجے جنہوں نے ان ممالک میں برطانوی آقاؤں اور یہودی سرپرستوں کے مذموم مقاصد کی تکمیل کی اور اس کے بیٹے مرزا محمود قادیانی خلیفہ دوم نے فلسطین میں یہودی ریاست اسرائیل کے قیام واستحکام میں صیہونیوں سے بھرپور تعاون کیا[3]۔

قادیانیت ایک دجالی فتنہ ہے۔ اور یہود کی نام نہاد مملکت اسرائیل میں اپنا سیاسی اڈہ جماکر مسلمانوں کے سیاسی مفادات کے خلاف سرگرم عمل ہے۔ مرزا اگر دجالی مسیح موعود نہیں تو موجودہ خلیفہ ناصر احمد اسرائیل کے خلاف اور عربوں کی حمایت میں کیوں کھل کر بیان نہیں دیتا۔ وہ اپنے مشن کو بند کیوں نہیں کرتا اور استعمار پرستی اور یہود نوازی کی پالیسی کیوں ترک نہیں کرتا؟

۱۹۱۷ء میں برطانیہ نے یہود کو فلسطین میں بسانے کے منصوبے کا اعلان کیا۔ ۱۹۲۴ء میں مرزا محمود نے فلسطین میں قیام کیا اور فلسطین کے ایکٹنگ گورنر سرکلیٹن[4] سے ساز باز کرکے ایک لائحہ عمل مرتب کیا۔

---

[1] ENCYCLOPEDIA OF RELIGION AND ETHICS (MESSIAH) [2] EXODUS, by Leon Uris

[3] ہفت روزہ چٹان لاہور، ۸ اکتوبر ۱۹۷۳ء مقالہ "قادیان کا اسرائیل مشن"

[4] تاریخ احمدیت، مؤلفہ دوست محمد شاہد قادیانی۔

جلال الدین شمس قادیانی کو دمشق میں یہودی مفادات کا نگران مقرر کیا گیا۔ جب ایک عرب مسلمان انہیں کیفرِ کردار کو پہنچانے لگا تو آپ مکان چھوڑ کر فرار ہو گئے، ایک اور حریت پسند اس صیہونی آلہ کار کو واصل جہنم کرنا چاہتا تھا۔ لیکن آپ بچ گئے۔ اور حکومت نے آپ کو ملک چھوڑنے کا حکم دیا۔ ۱۹۲۸ء میں آپ نے فلسطین میں مشن قائم کیا[1]۔ ۱۹۴۷ء تک اسرائیل میں قادیانی پھلتے پھولتے رہے۔ مولوی اللہ دتہ جالندھری، محمد سلیم، چوہدری محمد شریف، نور احمد منیر، رشید احمد چغتائی جیسے لوگوں نے تبلیغ کے نام پر عربوں کو محکوم بنانے کی مذموم سازش کی۔ عرب حریت پسندوں کو بے دردی سے ان کے آبائی علاقوں سے نکالا گیا، ان کو بے دریغ قتل کیا گیا، شرفاء کی عزتیں لٹیں، لیکن دجالی مسیح موعود کے سیاسی گماشتے اپنے شرمناک مقاصد کی تکمیل میں لگے رہے۔ اور اس ظلم و ستم میں برابر کے شریک رہے۔ عرب ممالک میں جاسوسی، تخریب کاری اور صیہونیت کی پشت پناہی ان کا پشتینی شیوہ تھا۔

۱۹۵۱ء میں ۲۳ ویں عالمی صیہونی کانگریس منعقد ہوئی جس میں ایک نیا صیہونی پروگرام مرتب کیا گیا[2]۔ اس کے مطابق قادیانیوں کو ہر قسم کا تحفظ دیا گیا اور کبابیر، حیفہ، ماؤنٹ کرمل وغیرہ میں ان کو سیاسی اڈے بنانے کی سہولیات دی گئیں۔ عالمی صیہونی تنظیم (WZO) اور اس کی تمام ایجنسیاں جن جن ممالک میں بھی ہیں وہ قادیانیوں کی مالی امداد کے علاوہ ان کی سیاسی اعانت کرتی ہیں اور مختلف ممالک خصوصاً افریقہ میں قادیانیوں کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کرتی ہیں۔ موجودہ عرب اسرائیل جنگ کے بعد جو افریقی ممالک اسرائیل سے تعلقات توڑ رہے ہیں، قادیانی ان ممالک میں حکومت مخالف تحریکوں کی پشت پناہی کر کے ان پر سیاسی دباؤ ڈال رہے ہیں۔ اسرائیل کا افریقہ میں سب سے مضبوط اور وفادار ہراول دستہ قادیانیت ہی ہے۔ مرزا ناصر احمد نے ۱۳ جولائی ۱۹۷۳ء سے ۲۹ ستمبر ۱۹۷۳ء تک یورپ کا جو دورہ کیا اس کی غرض و غایت قطعاً سیاسی تھی۔ لندن مشن کے محمود ہال میں جو پوشیدہ سیاسی میٹنگیں ہوئیں ان کا مقصد افریقہ میں اسرائیل اور یورپی استعمار کے سیاسی مقاصد کی تکمیل، اور پاکستان کی سیاسیات میں اپنے کردار کا از سر نو جائزہ لینا تھا۔

اسرائیل کی سیاسی پارٹی ہیروت (HARUT PARTY) جس کی بنیاد ۱۹۲۵ء میں عالمی صیہونی تنظیم (WZO) نے رکھی اور جو اردن کے دونوں کناروں تک اسرائیل کی توسیع کی دعویدار ہے۔ اور اسرائیلی لبرل پارٹی قادیانیوں کی ہر ممکن مدد کرتی ہیں۔ واضح رہے کہ ۱۹۰۲ء میں فلسطین میں مزراہی پارٹی (MIZRAHI PARTY) یعنی مرکز روحانی

---

[1] تاریخ احمدیت، مرتبہ دوست محمد شاہد قادیانی

[2] دی یروشلم پوسٹ، ۲۷ دسمبر ۱۹۶۴ء

پارٹی قائم ہوئی تھی جو اب تک موجود ہے۔ اور یہی پارٹی مرزا غلام احمد قادیانی کا عرب دشمن لٹریچر فلسطین اور مغربی ایشیا کے دیگر علاقوں میں پھیلاتی تھی۔ اسرائیل کی غیر صیہونی یہودی پارٹیاں اگودت اسرائیل (AGUDAT ISRAEL) قائم شدہ ۱۹۱۲ء اور عرب یہودی کی عرب ڈیمو کریٹک پارٹی بھی قادیانیوں کی پشت پناہ ہیں۔ دو ماہ ہوئے اسرائیل کے سب سے بڑے ربی شلو گورین نے آرچ بشپ آف کنٹربری ڈاکٹر ریمزے اور کارڈینل پادری ہی نان سے خصوصی ملاقات کی اور ان پر زور دیا کہ اسرائیل میں عیسائی مشنریوں پر پابندی عائد کریں[1]۔ اسرائیل میں ایک منظم تحریک چلائی جارہی ہے۔ عیسائی مراکز پر حملے کئے جاتے ہیں کئی دکانیں جلائی جاچکی ہیں۔ اور بائیبل کی کئی کاپیاں نذر آتش کی گئی ہیں۔ ان تمام واقعات کے باوجود ۱۹۲۸ء سے لیکر ۱۹۷۳ء تک ۴۵ سال میں صیہونی یہود نے نہ تو کبھی قادیانیوں کے لٹریچر کو تلف کیا اور نہ ہی ان کی "مشنری کاروائیوں" میں کوئی معمولی سے معمولی روک ڈالی جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسرائیل قادیانیت کو تحفظ دے رہا ہے۔ اور ظاہر ہے یہ تحفظ اس کے اپنے مفاد میں ہے۔

اسرائیل، قادیانیوں سے عرب ممالک میں مندرجہ ذیل کام انجام دلواتا ہے۔

۱۔ فوجی راز معلوم کرنا۔ ۲۔ ملک کی معاشی صورتِ حال کا اندازہ لگانا۔ ۳۔ لوگوں کے دینی اور اخلاقی جذبات معلوم کرنا۔ ۴۔ عرب گوریلوں کے خلاف کاروائیاں کرنا۔

اسرائیل کی دو بڑی جاسوسی تنظیمیں ہیں۔ ۱۔ شیرت موساد SHERUT MOSSAD (سنٹرل بیورو آف انٹیلی جنس) اور ۲۔ شن بیتے SHIN-BETY (جنرل سیکورٹی سروس)۔

ان تنظیموں کا مقصد اپنے خصوصی ایجنٹوں کو قریبی عرب ریاستوں میں روانہ کرنا ہے تاکہ وہ درج بالا خدمات انجام دیں۔ شام، عراق اور مصر میں اسرائیل نے جاسوسی نظام کا جال بچھایا لیکن شام نے جلد ہی ایک یہودی ایلی کوگن (ELI-KOGAN) کو گرفتار کرلیا۔ ایسے ہی عراق میں ایک گروہ کو پکڑا گیا۔ ۱۹۶۷ء کی جنگ سے پہلے مصر میں سابق نازی آمر ہٹلر کے ایک افسر لوٹز (LOTZ) اور اس کی بیوی کو پکڑا گیا، جنہوں نے اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ سازش اور تخریب کاری کا ایک خوفناک اڈہ قائم کیا ہوا تھا[2]۔ قادیانیوں کی وساطت سے عرب گوریلا اور چھاپہ مار تنظیموں کے خلاف بھی کاروائیاں کی جاتی ہیں۔ تنظیم آزادی فلسطین (PLO) فلسطین کی تحریک مزاحمت (PRM)، الفتح، پاپولر فرنٹ (PF) اور چھاپہ مار تنظیم (ALF) میں قادیانی اثر و رسوخ حاصل کرکے ان کو داخلی طور پر سبوتاژ کرتے ہیں۔

---

[1] مارننگ نیوز کراچی ۲۶ ستمبر ۱۹۷۲ء [2] اے۔ پی۔ این۔ سوویت سکایا روسیہ (A.P.N. SOVETSKAYA ROSSIA)

اور اسرائیل کے خصوصی آلۂ کاروں کے طور پر کام کرتے ہیں۔

حالیہ عرب اسرائیل جنگ میں قادیانی اسرائیل کے ایسے ہی وفادار ہے جیسے کہ "برطانوی دور میں انگریز کے سیاسی گماشتے تھے۔ ان کو عرب ممالک سے دلچسپی ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ ان ممالک سے ان کو نکال باہر کیا گیا ہے۔ اور ان کی دینی ارتداد اور سیاسی تخریب کاری کی تحریک کا قلع قمع کر دیا گیا ہے۔ قادیانی مرزا غلام احمد کے ایک الہام کی رو سے اس بات کے منتظر ہیں کہ عرب ممالک میں زبردست تباہی ہو اور اس کے بعد ان کا سلسلہ ترقی کرے۔ مرزا صاحب فرماتے ہیں:

"خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ ...... ایک عالمگیر تباہی آوے گی۔ اور اس تمام واقعات کا مرکز ملک شام ہوگا۔ صاحبزادہ صاحب (یعنی بیر سراج الحق قادیانی) اس وقت میرا لڑکا موعود ہوگا۔ خدا نے اس کے ساتھ ان حالات کو مقدر کر رکھا ہے۔ ان واقعات کے بعد ہمارے سلسلہ کو ترقی ہوگی اور سلاطین ہمارے سلسلہ میں داخل ہوں گے۔ تم اس موعود کو پہچان لینا۔"
(تذکرہ، مرزا کا مجموعہ وحی والہام، ربوہ، ص ۷۹۹)

القصہ مرزا غلام احمد استعماری اور صیہونی آلۂ کار تھا۔ اس کا مہدی اور مسیح کا دعویٰ قطعاً جھوٹ تھا۔ اس نے یہود سے لڑنے اور مسلمانوں کی فتح کے لئے جدوجہد کرنے کی بجائے سامراجی طاقتوں کی مدد کی اور اسرائیل کے قیام میں بھرپور حصہ لیا۔ اس کے بیٹے نے ۱۹۲۸ء میں اسرائیل میں مشن قائم کر کے یہود کی صیہونی ریاست کے خواب کو پورا کر دکھایا۔ قادیانی اسرائیل میں ایک وسیع جال بچھائے ہوئے ہیں۔ پریس قائم کر کے اور رسائل شائع کر کے فلسطینی حریت پسندوں کے خلاف دینی اور سیاسی محاذ پر صف آرا ہیں۔ اسرائیل انہیں عرب ممالک میں جاسوسی اور تخریب کاری کے لئے استعمال کرتا ہے۔ اور صیہونی ایجنسیاں ان کی مالی اعانت کرتی ہیں۔ قادیانی نصرت جہاں بیگم کے تحت افریقہ میں سامراج اور یہود کے مضبوط اڈے قائم کر رہے ہیں۔ اسرائیل کے اندر جاسوسی تنظیموں، فری میسن اداروں اور خفیہ جاسوسی انجمنوں کے ساتھ ان کے اٹوٹ رشتے استوار ہیں۔ آزادیٔ فلسطین کی گوریلا تنظیموں کے خلاف اسرائیل انہیں استعمال کرتا ہے۔ حالیہ عرب اسرائیل جنگ اور اس سے قبل تین جنگوں میں اسرائیل کے قادیانی مشن نے یہود کی ہر سطح پر اعانت کی۔ آجکل بھارتی مشن کے صاحبزادہ وسیم احمد، لندن کے مشتاق باجوہ، نیز گذشتہ دو ماہ تک مولوی اللہ دتہ جالندھری۔ اور اسرائیلی مشن کے جلال الدین قمر، شرمناک سیاسی کاروائیوں میں ملوث رہے ہیں۔ ■

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہ، کراچی

قسط ۔ ۲

مدارس عربیہ دینیہ کا

نظامِ تعلیم

تیسرے نقطے کی تشریح | تیسرا نقطہ جس کا ذکر کیا گیا وہ "محو و اثبات" یا اصلاح و ترمیم ہے ۔۔۔ میری مراد اس سے یہ نہیں کہ یہ سارا دفتر پارینہ ، در عزق مئے ناب کر دینے کے لائق ہے ہرگز نہیں ، بلکہ یہ علوم امتِ محمدیہ کا سب سے بڑا سرمایۂ حیات ہیں ۔ اس کی حفاظت اس کی تربیت ابناء امت کا سب سے بڑا فرض ہے ، مسلمانوں کے دین اور ان کے تمدن کی بقاء کے لئے ان علوم کا بقاء ایسا ہی ضروری ہے جیسے حیات بدن کے لئے روحِ انسانی کا وجود ۔ بلکہ اس دورِ الحاد و دہریت میں ان کا تحفظ ان کی نشر و اشاعت کی ضرورت سابق سے کہیں زیادہ اہمیت حاصل کر چکی ہے ، لیکن اس واقعی حقیقت کو ثابت کرنے کے لئے کہ اس پُر فتن و پُر آشوب عہد میں نجات کی راہ ، فلاح و ترقی کا صحیح میدان بھی علوم اسلامیہ ہیں یا یہی دین اسلام ہے ، اس کے ثبوت کے لئے ہمیں کچھ اصلاح و تبدیلی کی ضرورت پیش آئے گی ، گذشتہ چند صدیوں سے جو علمی نظام یا علمی نصاب رائج ہو گیا ہے ، وہ امت کی موجودہ سمیت کیلئے تریاق نہیں بن سکتا ، جو امراض پیدا ہو چکے ہیں ۔ ان کی شفایابی کے لئے یہ کافی نہیں ہے ۔

گذشتہ رائج نصابِ تعلیم میں قرآن مجید ، علوم حدیث ، تاریخ اسلامی ، سیرت نبویہ ، ادب و علوم بلاغت کو وہ اہمیت حاصل نہیں تھی ، جو بقیہ علوم و فنون کو حاصل تھی ۔ نصابِ تعلیم میں اوّلیت و اہمیت کا درجہ ان علوم کو حاصل ہونا چاہئے ۔ بقیہ علوم کو ثانوی درجہ میں رکھنا چاہئے ، عربی ادبی زبان میں گفتگو ، خطابت ، انشاء ان کو کبھی اہمیت نہیں دی گئی ، لیکن اب وقت کا اہم تقاضا ہے ۔ کہ ان امور کو سب سے پہلا درجہ نصاب میں شامل ہونا چاہئے ۔

لسانیات ہی کے طرزِ تعلیم پر عربی ادب کی تعلیم و تربیت ہونی ضروری ہے۔ جدید ادبی اسلوب جس میں فرانسیسی ادب کے اسلوب سے استفادہ کیا گیا ہے جس میں غضب کی جاذبیت و عجیب شیرینی ہے۔ اور ادب کا یہ اسلوب قدیم بلکہ قدیم تر اسلوب سے بہت قریب ہے۔ جاحظ، ابن المقفع اور عہد مامون کے ادبی اسلوب کا ذخیرہ امت کے سامنے موجود ہے، بلکہ احادیث نبویہ کا اسلوب بیان اور فصحاء صحابہ کا طرزِ بیان خطباءِ عرب کا قدیمی اسلوب بہت ہی متقارب ہے۔

تیسری چوتھی صدی تک تقریباً یہی اسلوب بیان تھا، بعد میں بدیع الزماں ہمدانی کے مقاماتی انشاء ادب نے پھر حریری کے پر تکلف سجع بندی نے اس ادب کا خاتمہ کر دیا، لیکن پھر بھی قرونِ متوسطہ میں جستہ جستہ ادباء کا یہی طرز رہا۔ غرض یہ کہ الادب الحدیث یا الادب الجدید قدیم ترین اسلوب سے بہت اقرب و اشبہ ہے اور اسی میں مہارت و قابلیت و امتیاز پیدا کرنے سے قرآن و حدیث کی زبان کی شیرینی محسوس ہو سکتی ہے۔ اگر ہمارے نصابِ تعلیم میں جاحظ اور ابن قتیبہ و ابن المقفع کی کتابیں نہ سہی کم از کم الشریف الرضی کی نہج البلاغۃ ہوتی۔ جب بھی ادبی ذوق میں اتنا انحطاط نہ ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ قدیم علوم کی بہت سی کتابوں میں تبدیلی کی ضرورت ہے اور بجائے متاخرین کے قدماء کی کتابوں و مصنفات میں بہترین بدل موجود ہے۔ منطق، قدیم فلسفہ، قدیم کلام اور قدیم ہیئت میں بہت سرسری معلومات بھی کفایت کر سکیں گی۔ تنقیح کے ساتھ قواعد و مصطلحات کا علم کافی ہوگا۔ اور ان کی جگہ تکمیل کے لئے جدید علم کلام اور جدید علم ہیئت و ریاضی و اقتصادیات کو دینا چاہئے۔ اس نصف صدی میں ان علوم کا کافی ذخیرہ عربی میں آچکا ہے۔ لیکن بہت سے گوشے ابھی تک تشنۂ تکمیل ہیں۔ تاہم جتنا ذخیرہ عربی میں مدون ہو چکا ہے۔ اس سے مستفید ہونا چاہئے۔ بعض عمدہ کتابیں اردو میں ملیں گی ان کو داخلِ نصاب کیا جائے۔ اس وقت اس موضوع کی تفصیل مقصود نہیں صرف اصولی بحث ملحوظ ہے، جس وقت نصاب کی تعیین کا مسئلہ پیشِ نظر ہوگا اس وقت مزید تبصرہ کی ضرورت ہوگی، تاکہ "نصابِ جدید" میں فیصلہ کن اقدام ہو سکے۔ یہ چند منتشر پراگندہ تصورات تھے، جو ناظرین کی خدمت میں "بجہد المقل دموعہ" پیش کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں۔

ہم مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی میں انہی اصول کے پیشِ نظر انہی خطوط پر نصاب کی بنیاد چاہتے ہیں۔ اور الحمد للہ کچھ جزئی ترمیم و اصلاح کا قدم بھی اٹھایا جا چکا ہے جکی تفصیل کی شاید اس وقت حاجت نہ ہوگی۔ اس نصابِ تعلیم کے ساتھ ایک جدید نظامِ تعلیم کی بھی ضرورت ہے۔ قدیم نصابِ تعلیم پر اصرار کے بہت سے وجوہ و اسباب تھے۔ اور کچھ موانع و مشکلات بھی ہیں۔ اس وقت اسکو زیرِ بحث لانا غیر ضروری

سمجھا گیا۔ اب اسکی بہت شدید ضرورت ہے کہ مفکر علماء ملت اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے جلد کسی مرکز پر جمع ہو جائیں اور متفقہ نصاب تعلیم جلد ملک وملت کی درسگاہوں میں رائج کیا جائے اور کل پاکستان کا علمی نظام اور علمی نصاب تعلیم ایک ہی سلسلہ میں منسلک ہو اور اس سلسلہ کے تحزب و تفرق، خلاف واختلاف کو جلد ختم کیا جائے اور دین وعلم کی خدمت کے لئے متفقہ آواز اٹھائی جائے۔

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۚ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ۔

مدارس عربیہ کا نصاب تعلیم جس طرح محتاج اصلاح ہے، جس کا اجمالی خاکہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا گیا اس سے کہیں زیادہ نظام تعلیم کی اصلاح کی حاجت ہے۔ نظام تعلیم سے میری مراد ایک وسیع مفہوم ہے جس میں طلبہ کی تربیت ونگرانی، طلبہ کا علمی معیار، طلبہ کا اخلاقی معیار، تدریس کا طریقہ۔ مطالعہ کا طریقہ۔ کن کن مضامین پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت۔ طلبہ کی ذہنی تربیت کے لئے کیا کیا ذرائع اختیار کئے جائیں۔ طلبہ میں علمی استعداد پیدا کرنے کے لئے ترغیب وترہیب کے کیا کیا وسائل ہونے چاہئیں۔ غرض صلاح وتقویٰ، علمی معیاری قابلیت، اخلاص وعمل کی روح کے پیدا کرنے کے لئے کن کن تدابیر کو کام میں لایا جائے۔ جب تک طلبہ کے قلوب میں امراض نہیں تھے، دماغوں میں جدوجہد کا جذبہ موجود تھا، طبیعتیں علمی مسابقت سے سرشار تھیں۔ اساتذہ میں اخلاص وتعلق مع اللہ کی روح جلوہ گر تھی اور تعلیم وتعلم دونوں کا مقصد خدمت علم و خدمت دین تھا یا کم از کم حصول علم صحیح تو ان تدابیر کی حاجت نہیں تھی، لیکن نقطۂ خیال بدل گیا۔ تعلیم کا مقصد حصول سند ہے۔ یا حصول ملازمت۔ اساتذہ میں وہ روح نہ رہی، ان کا مقصد مشاہرہ کا حصول یا مہتمم کو خوش کرنا یا پھر طلبہ سے خراج تحسین کی سند حاصل کرنا۔ جب یہ امراض پیدا ہو گئے تو اب ضرورت ہے کہ انتہائی دلسوزی اور جانفشانی کے ساتھ اس کے علاج کیطرف توجہ کرنی چاہیئے۔ سابق الذکر امور میں سے ہر ایک کافی تفصیل طلب ہے۔ لیکن یہاں چند اہم ترین امور کی اصلاحی تدابیر کا اجمالی خاکہ پیش کرنا ہے۔

تدریس کا طریقہ ۱۔ مدرسین حضرات کا طریقۂ تدریس یہ ہونا چاہیئے کہ کتاب کے مشکلات کو سادے الفاظ میں اور اختصار کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کریں تعبیر کے لئے عمدہ دلنشیں واضح طریقہ اختیار کریں۔ کتاب کے حل کرنے میں قطعاً تسامح سے کام نہ لیا جائے۔ حل کتاب کے بعد فن کی مہمات پر طلبہ کو متوجہ کیا جائے۔ جس مشکل کی تحقیق کسی نے عمدہ کی ہے۔ ان کا حوالہ دیا جائے اور طلباء کو ان ماخذ سے روشناس کرایا جائے تاکہ مستعد و ذہین طلبا اپنی معلومات کو آگے بڑھا سکیں۔ فضول وبیکار مباحث میں طویل طویل تقریر کرکے طلباء سے داد تحقیق حاصل کرنا۔ یہ تدریس کا سب سے بڑا فتنہ ہے۔ اسکو کسی نہ کسی طریقہ سے ختم کرنا چاہیئے ــــــــ

۲۔ **کتابوں کا اختتام اور اول سے آخر تک تعلیم میں تطابق** جو کتابیں ایسی ہیں جن کا ختم کرنا ضروری

ہے۔ پوری توجہ کرنی چاہئے کہ کتاب ختم ہو جائے۔ کوئی بحث رہ نہ جائے۔ جب تک کتاب ختم نہ ہو اس کا امتحان نہ لیا جائے۔ تا اختتام امتحان سالانہ مؤخر کیا جائے اور اس شکل پر قابو پانے کے لئے کتابوں کو تین حصوں پر تقسیم کرنا چاہئے کہ سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحان تک کہاں سے کہاں تک کتاب پہنچ جانا چاہئے اس کا شدت سے انتظام کیا جائے ایسا نہ ہو کہ ابتدا میں ماہ دو ماہ بڑی بڑی تقریریں ہوں۔ اور آخر میں صرف ورق گردانی جس نے علم کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی۔

۳۔ جو اساتذہ جن کتابوں کے لئے زیادہ موزوں ہوں، علمی استعداد اور طبعی رجحانات کے اعتبار سے تقسیم اسباق میں اس کا خیال ضرور رکھا جائے۔

۴۔ ابتدائی دو سال کی تعلیم میں نتائج امتحانات میں نہایت سختی کی جائے۔ ناکامیاب کو قطعاً کسی مراعات کی بنا پر کامیاب نہ بنایا جائے۔

وسط اور انتہائی تعلیم میں معقول اعذار کی بناء پر تسامح قابلِ برداشت ہے۔ لیکن ابتدائی تعلیم میں ہرگز ایسا نہ کیا جائے۔

۵۔ ابتدائی تعلیم اچھے اور تجربہ کار اساتذہ کے حوالہ کرنی چاہئے جو مسائل کو عمدہ اور مفید ترین طریقے پر ذہن نشین کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں۔ الغرض ابتدائی تعلیم کی عمدگی و پختگی پر بے انتہاء توجہ کی ضرورت ہے۔ اگر اعلیٰ تعلیم کے اساتذہ کو ابتدائی درجہ کا کوئی سبق بھی دیا جائے تو اس میں بہت فوائد و مصالح ہیں۔

۶۔ مدرسین کو اسباق اتنے دیئے جائیں تاکہ وہ مطالعہ و تدریس کی ذمہ داری پر صحیح طریقے سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ جس کا اجمالاً اندازہ یہ لگایا جا سکتا ہے۔

ابتدائی درجہ کے اساتذہ کے پاس زیادہ سے زیادہ پانچ گھنٹے تعلیم کے دئے ہوں۔ متوسط درجات کے لئے چار گھنٹے، آخری درجات کے لئے تین گھنٹے۔

۷۔ اساتذہ ایسے رکھے جائیں جو ہمہ تن مدرسہ سے وابستہ ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ صرف دو تین گھنٹے کا رسمی تعلق ہو یا کہیں اور ملازم ہوں۔ مدرسہ کے مصالح [illegible] کے پیش نظر یہ صورت بہت اہم و قابلِ توجہ ہے۔

۸۔ اساتذہ کے انتخاب میں حسب ذیل امور معیار انتخاب ہوں۔

اخلاص و تقویٰ و صلاح و اعلیٰ قابلیت اور اس فن سے مناسبت جو اس کو حوالہ ہو۔ مدرسہ کے نظام سے وابستگی اور طلبہ کے تعلیمی و اخلاقی معیار کو بلند کرنے کا جذبہ، تدریس سے شوق۔ یہ سب باتیں بہت اہم ہیں ان میں کسی ایک بات کی بھی کمی ہو تو صحیح کام نہ ہو سکے گا۔

۹۔ اساتذہ کو فن کی اعلیٰ کتابوں کی طرف مراجعت کرنی چاہئے تاکہ عمدہ معلومات طلبہ کے لئے فراہم

کر سکیں، الغرض مطالعہ وجد وجہد ضروری ہے۔ تن آسانی وراحت کوشی سے صرف سابقہ معلومات پر اکتفاء نہ کرنا چاہیئے۔ طلبہ کے اندر علمی اعلیٰ معیار پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ اساتذہ اس معیار کے ہوں۔

۱۰۔ جہاں تک مقدرت ہو طلبہ کو راحت وآسائش پہنچائی جائے اور طلبہ اتنے رکھے جائیں جنکی عمدہ خدمت ہو سکے۔ لیکن اس کے ساتھ ان کی علمی نگرانی، درس میں حاضری، رات کا مطالعہ، امتحان میں سختی، ان سب باتوں میں کوئی رعایت یا مسامحت نہ اختیار کی جائے۔ باقاعدہ طلباء کے احوال کا تفقد رکھا جائے۔ اور اس کے لئے انتظام ہو۔ اگر کوئی طالب علم سہ ماہی میں ناکام ہو اس کا کھانا بند کر دیا جائے اور اگر ششماہی میں بھی ناکام ہو تو آخر سال تک مزید موقع دیا جائے۔ اگر سالانہ امتحان میں بھی نتیجہ ساقط رہا تو اسکو علٰحدہ کر دیا جائے۔ ان امور میں تسامح ومراعات کرنا علم کو دفن کرنے کے مترادف ہے۔

۱۱۔ ابتدائی درجۂ عربی کے طلباء کا ماہانہ امتحان لازمی قرار دیا جائے۔ مقدار خواندگی متعین کی جائے۔ کوشش ہو۔ کہ اس حد تک کتاب پہنچ جایا کرے۔

۱۲۔ ہر درجے کے مناسب مطالعہ کے لئے کوئی نہ کوئی کتاب منتخب کر کے متعلم کو دی جائے۔ اس کتاب کا امتحان سالانہ لازمی قرار دیا جائے۔

۱۳۔ طلبہ کی اخلاقی نگرانی، عادات کی اصلاح، دینی وضع کی پابندی بے حد ضروری ہے۔ باجماعت نماز کی پابندی سیرت وصورت کی تربیت واصلاح کیطرف پوری توجہ ہونی چاہیئے۔ ان امور میں تسامح سم قاتل ہے۔ غیر ذکی طالب علم اگر متقی ہو وصالح ہو اسکو برداشت کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ذکی، بدشوق وبد اطوار ہرگز رعایت کے مستحق نہیں۔

۱۴۔ مدرسہ کے ضوابط ایسے ہوں کہ طلبۃ خود بخود دینی وضع۔ صالحین کے شعار، لباس پوشاک، خورد ونوش معاشرت وعبادت میں پابند ہو جائیں۔

۱۵۔ امتحانات میں مسابقت وتقدم کے لئے ترغیبی وظائف رکھے جائیں۔ سالانہ امتحان میں اعلیٰ کامیابی پر انعامات مقرر کئے جائیں، انعامات میں بجائے نقد رقوم کے عمدہ عمدہ کتابیں دی جائیں اگر انعامی کتب میں ان کی علمی استعداد وطبعی خصوصیات کی رعایت رکھی جائے تو اور سونے پر سہاگہ کا کام دے گی۔ مثلاً حدیث میں اعلیٰ کامیابی پر حدیث کی کوئی عمدہ کتاب تفسیر میں اعلیٰ کامیابی پر تفسیر کی اعلیٰ کتاب دی جائے۔

۱۶۔ ہر سال کے امتحانات میں ایک پرچہ امتحان کا ایسا ہو جس سے عام اہلیت وقابلیت وعلمی استعداد کا پتہ چلے۔ کسی خاص کتاب سے تعلق نہ ہو۔ آخری فراغت علوم کے امتحان میں یہ تشخیص بہت

ضروری سمجھی جائے۔

۱۷۔ عربی ادبی زبان کی قابلیت مقاصدِ تعلیم میں شامل کرنی چاہئے۔ ابتداء سے عربی انشاء نویسی کی مشق و تمرین کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے۔ ایک گھنٹہ مخصوص تحریرِ عربی کا ہو جو ہر درجہ میں لازمی ہو تین سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد چوتھی جماعت میں تدریس کی زبان عربی ہو۔ مدرس عربی میں پڑھائے۔ طلبہ و اساتذہ کے سوالات و جوابات کا سلسلہ بھی عربی میں ہونا چاہئے۔

۱۸۔ طلبہ میں عربی ادبی ذوق پیدا کرنے کیلئے عربی مجلات وصحف و جرائد کا اجراء لازمی ہے۔ اور ایک دار المطالعہ کا قیام اس مقصد کے لئے ضروری ہے۔

۱۹۔ طلبہ میں تقریر و خطابت کی روح پیدا کرنے کے لئے ہفتہ وار جمعہ کی رات تقریر کرنے کے لئے مجلسیں قائم کی جائیں۔ ہر درجہ کے طلباء کے لئے علیحدہ مجلسِ تربیت ہو اور ہر ایک مجلس کی نگرانی و تربیت ایک استاد کے سپرد ہو۔ آخری تقریر اس استاد کی ہو۔ ہر جلسہ کے لئے تقریر کا موضوع متعین ہو اور آخری استاد کی تقریر میں تقاریر پر تنقید و تبصرہ ہو۔ ہر ہفتہ وار مجلس کا وقت کم از کم تین گھنٹہ ہو۔

۲۰۔ مدرسہ میں طلبہ کی تکثیر جماعت و تکثیر افراد کی کوشش نہ کرنی چاہئے۔ کمیت قابلِ التفات نہ ہو، کیفیت پر توجہ مرکوز رکھی جائے۔ مستعدین کی قلیل جماعت غیر مستعد نااہل کے جمِ غفیر سے زیادہ قابلِ قدر سمجھی جائے۔ اربابِ مدارس کو تکثیرِ سواد کے تنافس سے بیحد نقصان پہنچا۔ دس صحیح طالب علموں پر سالانہ بیس ہزار کا خرچ قابلِ برداشت ہونا چاہئے۔ لیکن سو نااہلوں پر بیس ہزار کا خرچ بھی قابلِ مواخذہ ہے۔ الغرض یہ خطرناک وبائی شکل میں مدارسِ عربیہ دینیہ میں یہ مرض پیدا ہو گیا۔ اس کے علاج و تدارک کی طرف پوری توجہ کی ضرورت ہے۔

نظامِ تعلیم میں عوام کو مدرسہ کی امداد پر مائل کرنے کی بجائے علم و دین کی خیر خواہی مقدم ہونی چاہئے۔ خالق کی رضا مخلوق کی رضا سے مقدم ہونی چاہئے۔ مخلوق کی رضامندی کی کوشش سے اور حق تعالیٰ کی رضاجوئی سے غفلت کے نتائج دینی و دنیوی خسران ہے۔

۲۲۔ مدرسہ کے سالانہ بجٹ میں امتیازی وظائف و انعامی کتب، کی مد ضرور رکھی جائے۔

مدارسِ دینیہ عربیہ کا انتظام | دورِ حاضر میں علمی زوال کے لئے جتنے خطرے پیدا ہو گئے۔ تاریخِ اسلام کے کسی دور میں اتنے خطرے نہ تھے۔ موجودہ دور میں مدارس کے آپس کے اختلافات و رقابتوں نے یا غلط مسابقت و بیجا تحاسد و تباغض نے ان خطرات میں مزید اضافہ کیا بلکہ ان خارجی فتنوں سے زیادہ خطرناک یہ داخلی فتنے ہیں۔ اگر ان حریفانہ رقابتوں کی اصلاح کی طرف توجہ نہ کی گئی تو عنقریب وہ دن

قریب ہیں کہ سارے مدارس فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ اس وقت اسکی بڑی ضرورت ہے کہ مدارس عربیہ کے درمیان علمی مواسات اور علمی مواخات وعلمی روابط ہوں۔ اس مقصد کے پیش نظر موثر ترین تدابیر اختیار کرنے کی حاجت ہے۔ دوسروں کے لئے نہیں بلکہ اپنی خیر منانے کے لئے اس کی ضرورت ہے۔ اس وقت اس بجاہ پسندانہ بحث سے کہ مرکز کونسا ہو اور کیسا ہو اور کہاں ہو، صرف نظر کر کے چند امور قابل توجہ ہیں۔

۱۔ کراچی سے سرحد تک جتنے دینی مراکز ہیں آپس میں ایک متحدہ محاذ، متحدہ نظام، متحدہ مجلس شوریٰ بنائیں، سال میں دو مرتبہ جمع ہو جایا کریں اور اراکین متحدہ اپنے اپنے مدارس کے مصارف پر یہ سفر اختیار کر لیا کریں۔

۲۔ ہر مدرسہ اپنا ایک ایک نمائندہ منتخب کر لیا کرے۔ ان مندوبین کے اجتماعات میں حسب ذیل امور زیر بحث آئیں۔

الف:۔ نصاب تعلیم۔ ب:۔ نظام تعلیم ج:۔ ممتاز فارغ التحصیل حضرات کی مکمل فہرست۔
د۔ ممتاز فارغ التحصیل حضرات کے لئے کوئی علمی مقام تدریس کا تقرر۔ ھ۔ ایک مشترکہ فنڈ کا قیام
و۔ اس فنڈ سے ایک مطبع کا قیام (جس میں مدارس کے نصاب تعلیم کی کتابیں طبع ہوتی رہیں۔)
ز۔ جو کتاب نادر ہے نہیں ملتی یا طبع نہیں ہوئی اور نصاب تعلیم میں اسکی ضرورت ہے۔ اسکو مشترکہ سرمایہ سے طبع کرا کر مدارس متعلقہ میں تقسیم کرائی جائے۔

۳۔ جس مدرسہ میں ممتاز شخصیت ہو اسکو ان مدارس میں جا کر علمی مشکلات اور علمی نفائس پر تقریر کرنی چاہیئے۔ اور ان تقاریر اور ان خطبات کو شائع کرنا چاہیئے ــــــ الغرض اس قسم کے اسباب کو اختیار کیا جائے جسکے ذریعہ غلط تحاسد کی فضا ختم ہو جائے اور آپس میں اتحاد ہو اور مشترکہ طور پر علمی خدمت اور دینی خدمت میسر ہو۔

جنگ آزادی کا ایک عظیم مجاہد

حاجی صاحب ترنگ زئی

جنہیں برطانوی سامراج تمام طاقتوں سے بھی زیر نہ کر سکا

ترنگ زئی تحصیل چارسدہ میں چارسدہ شہر سے تین میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی سے ایک سال پہلے یعنی ۱۸۵۶ء[1] میں اس گاؤں میں گلشنِ ولایت و حریت کا وہ گلِ سرسبد کھلا جسے تاریخ "فخر المجاہدین حاجی فضل واحد ترنگ زئی" کے نام سے یاد کرتی ہے۔

حاجی صاحب کے مورثِ اعلیٰ سید بہاء الدین قندھاری ساتویں صدی ہجری میں وادیٔ پشاور میں تشریف لائے۔ کہا جاتا ہے کہ سلطان شہاب الدین محمد غوری ہندوستان پر حملے کے بعد ۱۱۹۲ھ میں واپس ہوا تو اس کے لشکر میں بارہ ہزار افغان سپاہی تھے۔ ان کو غوری نے اشتغر (علاقہ چارسدہ) کوہِ سلیمان اور باجوڑ کے علاقوں میں آباد کیا۔ افغان قبیلہ ماموں زئی (محمد زئی) کے بہت سے افراد اشتغر میں سکونت پذیر ہو گئے۔ انہوں نے قندھار کے بزرگ "بابا ولی[2]" سے درخواست کی کہ وہ ماموں زئیوں کی اصلاح و تزکیہ کے لئے اپنے فرزند سید بہاء الدین کو نو آباد ماموں زئی قبیلے میں بھیج دیں۔ بابا ولی نے انکی درخواست منظور کر لی۔ اور سید بہاؤ الدین کو ۶۵۰ھ مطابق ۱۲۵۲ء کے لگ بھگ قندھار سے وادیٔ پشاور بھیج دیا۔۔۔۔

آج کل سید بہاء الدین عوام میں پیر پودے بابا کے نام سے معروف ہیں۔ ان کا مزار اتمان زئی

---

[1] "تذکرہ علماء مشائخ سرحد" کے مؤلف نے سال ولادت ۱۸۴۲ء لکھا ہے۔ مگر زیادہ تر تذکرہ نگاروں نے ۱۸۵۶ء ہی لکھا ہے۔

[2] بابا ولی کا مزار قندھار میں ہے۔ حسن ابدال ضلع کیمبل پور میں پہاڑی کی چوٹی پر ان سے منسوب ایک بیٹھک ہے۔

کی سٹول گرہ یعنی چاول بونے کے علاقے میں ایک اونچے ٹیلے پر واقع ہے۔ پٹھان مرد و عورتیں دور دور سے زیارت کے لئے حاضر ہوتی ہیں اور جاہلانہ عقائد کی وجہ سے منتیں مانگتی اور چڑھاوے چڑھاتی ہیں۔ زائرین میٹھی چوری یعنی مالیدہ بانٹتے ہیں۔ دنبے ذبح کرتے ہیں۔ اور ہر سال مزار کو قیمتی غلاف چڑھاتے ہیں۔۔۔۔۔

پیر بودے بابا کا روحانی فیض سرحد سے نکل کر پنجاب میں عام ہوا۔ نور پور شاہاں (راولپنڈی) کے مجذوب شاہ عبداللطیفؒ بری[1] کا سلسلہ ارادت پانچویں درجے میں سید بہاء الدین سے مل جاتا ہے۔

حاجی فضل واحد کی والدہ کا کاخیل خاندان سے تھیں۔ جن کے جد امجد حضرت شیخ رحمکارؒ معروف بہ کاکا خیل[2] مشہور بزرگ ہیں، جن کا مزار اکوڑہ خٹک کے جنوب مغرب میں ۹ میل دور پہاڑی میں واقع ہے۔

حاجی صاحب کا خاندان گردونواح میں تقویٰ و تقدس اور زہد و ورع کی وجہ سے غیر معمولی شہرت کا مالک تھا۔ حاجی صاحب کی شخصیت اس گھرانے کی شہرت اور نیک نامی کو مزید چار چاند لگ گئے۔

تعلیم و تربیت حاجی صاحب نے خاندانی روایات کے مطابق مروجہ تعلیم پائی۔ مسجد میں قرآن کریم پڑھا۔ اور ابتدائی تعلیم پائی بعد ازاں اس دور کے مشہور عالم مولانا ابوبکر اخوند زادہ سے اکتساب علم کیا۔ کچھ عرصہ کے لئے "ہتکال بالا" میں بسلسلہ تعلیم مقیم رہے۔ اکتساب تعلیم کے بعد کھیتی باڑی کو ذریعہ روزگار کے طور

---

[1] شاہ عبداللطیف بری کے بارے میں مؤلف "حدیقۃ الاولیا" غلام سرور لاہوری لکھتا ہے:

"شاہ لطیف بری قادری بزرگان پنجاب سے حضرت بڑے بزرگ مشہور ہیں۔ حضرت کے خوارق و کرامات ہزاروں مشہور ہیں۔ حضرت بڑے عابد و زاہد، گوشہ نشین مجذوب تھے۔ ہزاروں مرید مدارج تکمیل کو پہنچے۔ حضرت نے نعمت باطنی حضرت حیات المیر زندہ پیر سے پائی جو غوث الاعظم کے پوتوں میں سے تھے۔ اور زندہ جاوید ہیں۔ حضرت کی وفات ۹۶۴ھ / ۱۵۵۶ء میں ہوئی اور روضۂ اقدس مشہور ہے" ص ۹

حال ہی میں پروفیسر منظور الحق صدیقی نے "بری شاہ لطیف" کے نام سے مجذوب شاہ لطیف کی جامع سوانح لکھی ہے۔

[2] شیخ رحمکارؒ (۹۸۳ھ ــ ۱۰۶۳ھ) عہد جہانگیر کے ولی اللہ تھے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے ان کے روابط تھے اور اپنے علاقے میں مرجع عوام تھے۔ آج بھی ان کا خاندان علمی اعتبار سے برآمد روزگار رہے۔ شیخ رحمکارؒ کے حالات زندگی کے لئے سید سیاح الدین کاکاخیل کی تالیف "تذکرہ شیخ رحمکارؒ" ملاحظہ ہو۔

پر اپنایا ——۔

بیعت اور جہاد | حاجی صاحب نے اپنے دور کے عظیم مجاہد نجم الدین عرف ہڈے ملّا کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تھی۔ نجم الدین معروف بہ ہڈے ملّا اخوند عبدالغفور صاحب سوات کے خلیفہ و جانشین تھے۔ اخوند عبدالغفور اور ہڈے ملّا ؒ نے صوبہ سرحد اور نواحی علاقوں میں بااثر بزرگ اور غیور مجاہد گزرے ہیں۔

اخوند عبدالغفور نے انگریزوں کے قبضہ پشاور (۱۸۴۹ء) کے بعد سوات اور بنیر کے علاقوں میں شرعی حکومت کے قیام کی جدوجہد کی۔ چنانچہ ۱۸۵۰ء میں سوات کے ایک نمائندہ جرگہ میں شرعی حکومت کا امیر سیّد احمد شہیدؒ کے مرید سید اکبر شاہ کو چنا گیا۔ مجاہدین کی سابقہ مہمات اور جانفروشی کو دیکھتے ہوئے سوات کی شرعی حکومت کو انگریزوں نے اپنے اقتدار کے لیے خطرہ سمجھا۔ اگرچہ سیّد اکبر شاہ ۱۸۵۷ء میں فوت ہو گئے تھے تاہم انگریز ہر صورت میں شرعی حکومت کو ختم کرنے پر تلے ہوئے تھے ——۔

۲۰ر اکتوبر ۱۸۶۳ء کو برطانوی فوج نے بریگیڈیر جنرل سرنیول چمبرلین کی سرکردگی میں امبیلہ پر چڑھائی کی۔ برطانوی حکومت نے اس مہم پر پوری قوت لگا دی تھی۔ ۱۶ر اکتوبر ۱۸۶۳ء کو اخوند عبدالغفور صاحب میدانِ جہاد میں مصروفِ عمل نظر آتے ہیں۔ ابتداء میں مجاہدین کا پلّہ بھاری تھا۔ مگر برطانوی زر و مال نے اپنوں کے دل جیت لیے۔ اور فتح شکست میں بدل گئی۔ ۲۷ر دسمبر ۱۸۶۳ء کو برطانوی فوج ہندوستانی مجاہدین کی مرکزی بستی اور کیمپ "ملکا" کو آگ لگا کر واپس چلی گئی اور اخوند صاحب اپنے عقیدت مندوں کے ساتھ دوبارہ دعوتِ جہاد پھیلانے سوات اور بنیر کے علاقے میں چلے گئے۔

اخوند عبدالغفور ۱۸۷۷ء میں فوت ہوئے۔ ۱۸۹۵ء میں مشہور مجاہد عمرا خان کی حکومت بھی ختم ہو گئی۔ سوات اور سمہ میں کوئی ایسی شخصیت نظر نہ آتی تھی جو اس نازک دور میں مسلمانوں کی قیادت کے فرائض انجام دیتی۔ ہر طرف مشکلات اور مایوسی کے بادل چھائے ہوئے تھے کہ عین عالمِ مایوسی میں اخوند عبدالغفور کے دو مریدوں کی صورت میں امید کی کرن نظر آئی۔ ایک تو سعد اللہ خان معروف بہ "سرتور فقیر" تھے۔ جنہوں نے سوات اور اس کے ملحقات کے غازیوں کی قیادت سنبھالی۔ دوسرے نجم الدین اخوند زادہ تھے، جنہوں نے مہمند، باجوڑ اور کنڑ کے غازیوں کی راہنمائی کی۔ نجم الدین ہڈے ملّا کی قیادت میں ۱۸۹۷ء میں حاجی صاحب ترنگ زئی نے مالاکنڈ، ہیرکلی، بٹ خیلہ اور چکدرہ کے محاذوں پر دادِ شجاعت دی۔

تجدید بیعت | ۱۹۰۲ء میں بڑے ملّا صاحب ایک عرصہ برطانوی حکومت کے لئے دردِ سر بنے رہنے کے بعد اپنے اللہ سے جا ملے تو حاجی صاحب نے ان کے خلیفہ حضرت صوفی عالم گل سے تجدید بیعت کی اور کرہ سلوک کی مزید منازل طے کیں۔ صوفی عالم گل نے انہیں اپنی خلافت سے سرفراز کیا اور اپنی تلوار و دستار عنایت کی۔

زیارت حرمین | ۱۹۰۸ء میں حاجی صاحب فریضہ حج ادا کرنے ارضِ حجاز روانہ ہوئے۔ اس سے پہلے ایک بار حج کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔ حاجی صاحب کے سفرِ حج نے ان کی سوچ کو ایک نیا راستہ بتایا۔ برّصغیر کے اندرونی علاقوں کا سفر کرنے سے انہوں نے تعلیم کی اہمیت محسوس کی اور مکّہ معظمہ و مدینہ منوّرہ کے دورانِ قیام میں تجدید سنت کا ذوق لے کر واپس آئے۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر | حجاز سے واپسی کے بعد حاجی صاحب نے مسلمانانِ سرحد کی اصلاح کا بیڑہ اٹھایا۔ ۱۹۱۰ء میں ضلع پشاور (جس میں اس وقت مردان بھی شامل تھا۔) میں تبلیغی و اصلاحی مشن کا آغاز کیا۔ اور اس مہم کو اس جانفشانی اور تندہی سے انجام دیا کہ قلیل مدت میں ضلع بھر کے عوام کے خاندانی جھگڑوں کا فیصلہ کر دیا۔ قتل مقاتلے تک کے مقدمات کچہریوں میں جانے کی بجائے۔ ان کے قائم کردہ جرگوں میں فیصل ہو جاتے۔ کچہریاں اجڑ گئیں کیوں کہ کسی کو وہاں جانے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی تھی۔ حاجی صاحب نے پیدائش، شادی بیاہ اور مرگ کی فضول رسموں کے بند کرانے میں حیرت انگیز کامیابی حاصل کی۔ قوم کی جملہ خرابیوں کو دور کرنے کے لئے تعلیم عام کی۔ اس مقصد کے لئے ضلع پشاور کے طول و عرض میں ۷۲ اسلامی مدارس قائم کئے۔ ان مدارس کی نگرانی ایک مرکزی بورڈ کرتا تھا۔ موضع گدّر تحصیل صوابی میں مرکزی مدرسہ تھا۔ ہزاروں قبائلی اور غیر قبائلی طالب علموں نے ان مدارس سے استفادہ کیا۔ حاجی صاحب کی یہ اصلاحی و تعلیمی تحریک اپنی مدد آپ کے اصول پر چل رہی تھی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب تھے۔ حاجی صاحب اپنی لگن اور مجاہدانہ جذبہ کی بدولت مسلمانانِ سرحد میں اس قدر مقبول ہوئے کہ صوبے کی تاریخ میں ایسی کوئی دوسری مثال نہیں ملتی۔ حاجی صاحب جہاں جاتے ہزاروں عقیدت مند پروانہ وار ان کے گرد جمع ہو جاتے۔ اور ہر طرح ان کی مساعی میں شریک ہوتے۔ حاجی صاحب کی ہر دلعزیزی نے برطانوی حکومت کو بدحواس کر دیا۔ اور مسلمانانِ سرحد کی بیداری برطانوی اقتدار کے لئے خطرہ بن سکتی تھی۔

گرفتاری اور رہائی | یہ وہ دور تھا جب اندرونِ ہند طرابلس اور بلقان کی جنگوں کی وجہ سے مسلمانوں میں ہیجان پایا جاتا تھا۔ مسلمان راہنماؤں کی شعلہ بار تقریروں اور پُر اثر تحریروں سے جذبات میں آگ لگی ہوئی تھی۔ مولانا آزاد کا "الہلال"، مولانا محمد علی جوہر کا "کامریڈ" اور ظفر علی خان کا "زمیندار" عوام کے جذبات

کو ابھارے ہوئے تھا۔ برطانوی حکومت نے محسوس کیا۔ کہ اندرونِ ہند کا یہ متعدی جذبہ سرحد کے غیور جانباز مجاہدوں تک پہنچ گیا تو حالات کنٹرول سے باہر ہوجائیں گے۔ چنانچہ ۱۹۱۳ء کے آغاز میں حاجی صاحب اور ان کے چند رفقاء کو گرفتار کر لیا گیا۔ حاجی صاحب کی گرفتاری سے مسلمانانِ سرحد بے چین ہوگئے۔ حکومت کو صوبے میں عام بغاوت کا خدشہ نظر آنے لگا۔ تو حاجی صاحب کو ضمانت پر رہا کر دیا گیا۔ اور ان کے خلفاء کو تین تین سال قید کی سزا دی گئی۔

گرفتاری سے حاجی صاحب اور ان کے عقیدت مندوں کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں اور ان کا رخ بھی واضح ہوگیا۔ ٹمٹماتے ہوئے دئیے کو تو ہوا کا تیز جھونکا گل کر دیتا ہے۔ مگر بھڑکتا ہوا الاؤ اس سے بجھنے کی بجائے اور تیز ہو جاتا ہے۔ حاجی صاحب کی سرگرمیاں دیکھتے ہوئے برطانوی حکومت دوبارہ گرفتاری کی تدبیریں سوچنے لگی۔

اسلامیہ کالج پشاور کا سنگِ بنیاد ۱۹۱۳ء میں صاحبزادہ عبدالقیوم کی کوششوں سے اسلامیہ کالج وجود میں آیا۔ حاجی صاحب کی ہر دلعزیزی اور تعلیم و تدریس سے ان کی والہانہ لگن کے پیشِ نظر صاحبزادہ صاحب ان کی انگریز دشمنی کے باوجود اس عمارت کا سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے انہیں دعوت دی۔ حاجی صاحب کی گرفتاری کے احکام جاری ہو چکے تھے۔ چونکہ اس تقریب میں شمولیت کا وعدہ کر چکے تھے۔ اس لئے عین وقت پر نہایت پُراسرار طریقے سے وہاں پہنچے۔ اس وقت انہوں نے چادر سے منہ ڈھانپ رکھا تھا۔ انہوں نے نہایت ڈرامائی طور پر عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا اور مخصوص ساتھیوں کے ساتھ فوراً وہاں سے نکل گئے۔

شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ سے رابطہ اسی زمانے میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور ان کے رفقاء برطانوی اقتدار سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک منصوبہ پر کام کر رہے تھے۔ ان کا نقطۂ نگاہ یہ تھا۔ کہ بیرونی مسلمان ملکوں افغانستان اور ترکی وغیرہ کو اس بات پر آمادہ کیا جائے۔ کہ وہ ہندوستان پر حملہ آور ہوں اور مسلمان آبادی مقامی ہندوؤں کے ساتھ مل کر اندرونِ ملک ہتھیار اٹھائے۔ اس طرح بیرونی حملے اور اندرونی جہادِ آزادی سے برطانوی اقتدار ختم ہو سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے شیخ الہندؒ نے ہندوستان بھر میں اپنے رفقاء کے ذریعے فضا ہموار کی اور زیرِ زمین سرگرمیاں جاری رکھیں۔ مولانا سید حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں:

> "حضرت شیخ الہندؒ نے بار بار مولانا عبیداللہ (سندھی) اور مولانا عزیر گل صاحب کو ان کی خدمت میں بھیج کر اپنے مشن میں داخل کیا اور جہادِ حریت کے لئے آمادہ کیا

اور اس نے دعا کی کہ وہ اپنے وطن سے آزاد علاقے (یاغستان) میں ہجرت کر کے چلے جائیں۔ اور وہاں کے مرکز کو سنبھالیں۔ اور اپنے شاگردوں کو لکھا کہ وہ حاجی صاحب ترنگ زئی کی تابعداری کریں۔ اور ان کی امداد و اعانت میں کسی کوتاہی کو روا نہ رکھیں[1]۔

ہجرت | چنانچہ حاجی صاحب براہ نوزد خوڑہ، بنیر کے علاقہ طوطالئی چلے گئے۔ رمضان کا مہینہ قریب تھا۔ رمضان المبارک میں عقیدتمند طوطالئی میں جمع ہو گئے۔ انہوں نے مریدوں کی جمعیت کیساتھ برطانوی حکومت کے خلاف جہاد بالسیف شروع کر دیا۔ یہ جھڑپیں ۲۷ دن کے بعد بند ہو گئیں۔ رمضان المبارک کا مہینہ "طوطالئی" میں گزار کر "مہمند" چلے گئے۔ اور ایک گاؤں میں سکونت اختیار کر لی۔ اس جگہ کا نام "کند غار" تھا۔ ان کے آنے سے اس کا نام "غازی آباد" مشہور ہوا۔ یہاں ۱۹۱۵ء تک مقیم رہے۔

حاجی صاحب کی ہجرت حضرت شیخ الہندؒ کی ترغیب اور ایک مکمل پلان کے مطابق تھی۔ حاجی صاحب کے علاقہ غیر میں ہجرت کر جانے سے برطانوی حکومت کی تشویش بجا تھی۔ کہ ایک بااثر مذہبی راہنما کا ہاتھ سے نکل کر دشمن کی حیثیت سے علاقہ غیر میں جا پہنچنا واقعی خطرناک بات تھی۔ جبکہ ان ہی دنوں یورپ میں عالمی جنگ کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ اس وقت ایک انگریز افسر نے کہا:

"حاجی صاحب ترنگ زئی کا ہمارے ہاتھ سے نکل جانا ہندوستان میں ہماری سب سے پہلی ناکامی ہے"۔

حاجی صاحب کے قیام کے بعد "غازی آبادی" آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ جس علاقے میں پہلے بدامنی اور لاقانونیت کا دور دورہ تھا۔ اور اسلحہ کے بغیر گزرنا ممکن نہ تھا۔ حاجی صاحب کی اصلاحی اور تبلیغی کوششوں سے امن و امان قائم ہو گیا۔ راستے محفوظ ہو گئے۔ اور لوگ بغیر کسی خطرے کے ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرنے لگے۔ حالانکہ یہ ایسا علاقہ تھا جہاں کوئی سیاسی طاقت بھی امن قائم نہ کر سکی تھی۔

حاجی صاحب نے علاقے کے عوام کو آئین شریعت کا پابند بنایا۔ بری رسموں سے روکا اور ان کی اصلاح و ارشاد سے قبائل میں بڑی حد تک ایسی رسوم ختم ہو گئیں۔ پرانی عداوتیں مٹ گئیں۔ برادریاں قائم ہوئیں اور پری جیسے لیبی دھڑے بندیاں عہد ماضی کی یادگار بن گئیں۔

شب قدر پر حملہ | غازی آباد میں حاجی صاحب کی سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے برطانوی حکومت نے

---

[1] نقش حیات ج دوم ص ۱۹۵　　　* اس نام کا لفظی ترجمہ "سرخ چٹان" ہے۔

قبائل کو توڑنے اپنے ساتھ ملانے کیلئے زر و مال پانی کی طرح بہانا شروع کر دیا۔ حاجی صاحب حکومت کی ان کارروائیوں سے بے خبر نہ تھے۔ انہوں نے جہاد کی تیاری شروع کر دی اور ۱۹۱۹ء میں شب قدر کے قلعہ پر حملہ کر دیا جہاں قبائل میں پھوٹ ڈالنے کی سازشیں ہو رہی تھیں۔ شب قدر کے بعد "ڈکہ" پر چڑھائی کی۔ ہر دو مقامات پر برطانوی حکومت کو نقصان اٹھانا پڑا اور قبائل میں پھوٹ ڈالنے سے پہلے اُن کی سازشوں کے اڈوں پر کاری ضربیں لگا دی گئیں۔

اس کے بعد حاجی صاحب اور برطانوی فوجی دستوں میں گاہے گاہے جھڑپیں ہوتی رہیں۔ مہمند کے علاقے کا ذرّہ ذرّہ ان جھڑپوں کا گواہ ہے۔ حاجی صاحب کو کوئی مادی لالچ نہ تھی۔ وہ "مردِ مومن" کی صحیح تصویر تھے ؎

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

وہ تو اعلائے کلمۃ اللہ کی خاطر یہ تمام کٹھنائیاں اور مشکلات برداشت کر رہے تھے۔ جب کبھی سرحد میں کوئی غازیانہ معرکہ ہوتا وہ اپنی ضعیفی و نقاہت کے باوجود اپنے عقیدت مندوں کیساتھ دادِ شجاعت دیتے رہتے ہوتے۔ چٹیل میدان ہو یا سنگلاخ سلسلہ ہائے کوہ ہر جگہ شیر کی طرح ڈٹے رہتے تھے ـــــــ مولانا حسین احمد مدنیؒ ان کی معرکہ آرائیوں کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"محکمہ انگریزی خفیہ پولیس سے ذرّہ ذرّہ کی خبریں حکام برطانیہ کو پہنچائیں۔ چنانچہ پیش بندی کے طور پر انگریزی فوجیں قدیمی سرحدوں سے آگے یاغستان میں میلوں داخل ہو گئیں اور متعدد مقامات پر قبضہ کر لیا۔ مجاہدین کب صبر کر سکتے تھے۔ انہوں نے نہایت جوش اور جوانمردی سے یکے بعد دیگرے ایسے زور دار متواتر حملے کئے کہ پلٹنوں کی پلٹنیں گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ڈالیں اور پھر جو فوجیں آگے بڑھ گئی ہیں۔ اُن کی امداد اور رسد بند کر دی اس طرح ہزاروں نہیں لاکھوں کا وارا نیارا ہو گیا۔ اور سامان تو کروڑوں کا تلف ہو گیا۔۔۔۔ چند مہینوں کی جنگ میں انگریزوں کو انتہائی نقصان جان و مال کا اٹھانا پڑا اور تمام دعاوی اور اولوالعزمیاں خاک میں مل گئیں۔"

آغاز میں حاجی صاحب، ترنگ زئی کی کامیابیوں اور انگریزی فوج کی تباہی و بربادی کو دیکھ کر برطانوی حکومت نے میدانِ جنگ میں مقابلہ کو موزوں نہ سمجھا اور مجاہدین کی طاقت پر کاری ضرب لگانے کے لئے امیر حبیب اللہ خان والئی افغانستان کے ساتھ ساز باز کی۔ حبیب اللہ خان کے ذریعے سردارانِ قبائل کو بھاری رشوتیں دیں اور اپنے لوگوں سے یہ پروپیگنڈہ کروایا کہ جہاد بادشاہ کی قیادت کے بغیر اسلامی شریعت

میں جائز نہیں۔ مسلمانوں کا بادشاہ ان اطراف میں حبیب اللہ خان ہے۔ اس لئے عوام کو اس کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہئے۔ اور جب امیر علم جہاد بلند کرے۔ عوام ان کے ساتھ جہاد میں حصہ لے کر "جہاد اسلامی" کا اجر و ثواب حاصل کر سکیں گے۔ سردار نصر اللہ خان اس کام کے ناظم تھے اور تمام بیعت نامے ان کے پاس جمع ہوتے تھے۔ اس پروپیگنڈے اور لوگوں کے ضمیر خریدنے پر روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا۔ نتیجے میں مجاہدین کی قوت کمزور ہو گئی۔ مولانا عبید اللہ سندھی اپنی "ذاتی ڈائری" میں لکھتے ہیں:

> "انگریزوں نے کافی روپیہ امیر (حبیب اللہ خان) کو دیا کہ یاغستان میں تقسیم کرے اور اپنی سلطنت کے نام پر قبائل افغانیہ سے بیعت نامے حاصل کرے اور پشاور میں افغانوں کو کہا جاتا کہ امیر کابل جہاد کرے تو اس وقت تم بیشک جہاد میں شریک ہو جاؤ۔ لیکن بغیر بادشاہ کے جہاد ناجائز ہے۔ اس عام بدنظمی سے پرہیز کرو۔ اس طرح حاجی ترنگ زئی کے آدمی اور ہندوستانی مجاہدین کے کارندے سب اسی کام پر مامور ہو گئے کہ وہ امیر کابل کے نام بیعت نامے حاصل کریں۔ یہ انگریزی روپیہ انہیں لوگوں کے ہاتھ یاغستان میں تقسیم ہوا۔ اس کو سرانجام دینے والے نائب السلطنت امیر نصر اللہ خان تھے۔ تمام بیعت نامے ان کے دفتر میں محفوظ رہتے تھے۔"

امیر حبیب اللہ تو انگریزوں کے حمایت تھے۔ اور ان کا علم جہاد اٹھانا ایسے ہی تھا جیسے نیم کے درخت کے ساتھ انگور کے خوشے لٹکنے لگیں مگر پروپیگنڈہ کامیاب رہا۔ اور مجاہدین کو سخت نقصان پہنچا۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم سے افغانستان میں حریت کے جذبات پیدا ہوئے۔ امیر حبیب اللہ کی انگریز دوستی اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی۔ اور آخر ایک روز جلال آباد میں قتل کر دیا گیا۔

جہاد مہنگی ادغلی برطانوی حکومت نے جنگ افغانستان سوم کے بعد ۱۹۲۶ء میں مہمندوں کے علاقے میں سڑکیں بنانا شروع کیں۔ یہ سڑکیں درحقیقت "آزادی" چھیننے کا سبب بن سکتی تھیں۔ برطانوی حکومت کی فوج کی نقل و حرکت میں آسانیاں مجاہدین کے لئے ہرگز خوش آئند نہ تھیں۔ حاجی صاحب نے قبائل کو متحد کر لیا اور جہاد کا اعلان کر دیا۔ سڑکیں توڑ دیں اور ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء سے ۷ دسمبر ۱۹۳۰ء تک تقریباً ساڑھے چھ ماہ معرکہ آرائی جاری رہی۔ بالآخر برطانوی فوج کو ہزیمت اٹھانی پڑی اور سڑک کی تعمیر روک دینے کا وعدہ کرنے پر مجاہدین نے صلح کر لی۔

فیصلہ کن معرکہ برطانوی حکومت اپنے معاہدات کی قطعاً کوئی پرواہ نہ کرتی تھی اور سڑکیں بنانے پر بضد تھی۔ چنانچہ ۱۹۳۲ء میں دوبارہ جھڑپیں شروع ہو گئیں۔ ۱۹۳۵ء میں برطانوی فوج نے مجاہدین کے کیمپ

پر ہوائی جہازوں سے بم گرائے لیکن فتح و نصرت مجاہدین کے قدم چوم رہی تھی۔

برطانوی حکومت کے ساتھ حاجی صاحب ترنگ زئی کا آخری معرکہ ۱۹۳۵ء میں ایک پہاڑی کی چوٹی "ناحقی" پر ہوا جب کہ وہ نقاہت اور ضعف کی وجہ سے چل پھر نہ سکتے تھے۔ اور ایک پالکی میں بیٹھا کر میدانِ جنگ میں لے جائے گئے۔ کیوں کہ پاؤں میں تکلیف ہونے کی وجہ سے گھوڑے کی رکاب میں پاؤں نہیں ڈال سکتے تھے[1] یہ بہت نازک موقع تھا۔ انگریزی فوجیں ایسے مقام پر پہنچ گئی تھیں کہ چوٹی سے نیچے اتر کر ہلہ بول دینے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ حاجی صاحب کے مورچے پر جانے کی خبر سنتے ہی دور دراز عقبی علاقوں سے ایسے ایسے قبائل چلے آئے جو فاصلہ زیادہ ہونے کے سبب لڑائی میں شریک نہ ہو سکتے تھے۔ اس معرکے میں مشہور "گائیڈ پلٹن" نے حصہ لیا اور پوری قوت سے حملہ آور تھی۔ مجاہدین نے دشمن کو موقع دیئے بغیر ناحقی کی چوٹی پر پہنچ کر دست بدست لڑائی لڑی اور پوری فوج کو تہس نہس کر دیا اور صرف چند نفری زندہ بچ سکیں۔ اس زبردست فتح کے بعد برطانوی حملوں کا خطرہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ اور مجاہدین بے اندازہ مال اور اسلحہ مالِ غنیمت کے طور پر ہاتھ آیا۔

وفات | حاجی صاحب ترنگ زئی کی نمایاں جدوجہد کے بعد مزید حملے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا مگر جلد ہی وہ بیمار ہو گئے۔ اور سال بھر بسترِ علالت پر رہنے کے بعد ۱۹۳۷ء مطابق ۱۳۵۶ھ کو ۸۱ سال کی عمر میں جان جانِ آفریں کے سپرد کی۔ ان کی وصیت کے مطابق غازی آباد کی مسجد کے صحن میں دفن کئے گئے۔

ماخذ: ۱۔ باچا خان۔ (فارغ بخاری) ۲۔ تذکرہ شیخ رحمکار (سید سیاح الدین کاکاخیل)
۳۔ تذکرہ صوفیائے سرحد۔ (اعجاز الحق قدوسی) ۴۔ تذکرہ علماء و مشائخ سرحد (محمد امیر شاہ قادری)
۵۔ صاحبِ سوات۔ (ظہور الحق ظوردی) ۶۔ ماہِ نو (جنگِ آزادی نمبر) ۷۔ نقشِ حیات (شیخ الاسلام حسین احمد مدنیؒ)
۸۔ ذاتی ڈائری۔ (عبیداللہ سندھی)

---

[1] مولانا عبدالحق شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کو حاجی صاحب سے نیاز حاصل تھا۔ اور ان کیساتھ نامہ و پیام رہتا تھا۔ شیخ الحدیث صاحب نے راقم الحروف کو بتایا کہ حاجی صاحب ترنگ زئی کے موزوں میں انگریزوں نے سازش سے ایک شخص کے ذریعے زہر ڈلوا دیا تھا۔ حاجی صاحب نے زہر آلود موزے استعمال کئے تو پاؤں اس قدر متاثر ہو گئے کہ چلنا پھرنا ممکن نہ رہا۔ خادم انہیں اٹھا کر ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں لے جاتے تھے جس عاقبت نااندیش شخص نے چند ٹکوں کی خاطر یہ کام کیا تھا، اسے وعظ و نصیحت کر کے "غازی آباد" سے رخصت کر دیا۔ حاجی صاحب کی خدمت میں شیخ الحدیث صاحب کی حاضری نامہ و پیام اور روابط پر ایک الگ مضمون میں روشنی ڈالوں گا۔ انشاء اللہ۔ (اختر راہی)

محترم جناب مضطر عباسی۔ (مری)

(۱)

جدید زبانوں کے عربی ماخذ

عربی کے بارہ میں خاص معلومات پر مشتمل یہ مضمون اپنی نوعیت کا منفرد مضمون ہے۔ اس لئے کہ اس انداز پر ہمارے ملک میں بہت کم کام ہُوا ہے۔ پھر اس سے عربی مدارس سے وابستہ حضرات کو بھی تحقیق کی ترغیب ہوگی۔ اور وہ ایک حد تک جدید زبانوں سے بھی متعارف ہوں گے۔

"ادارہ"

جدید زبانوں میں بیشمار ایسے کلمات ملتے ہیں۔ جو اصل اور ماخذ کے اعتبار سے عربی ہیں۔

مدد | مدد عربی زبان کا لفظ ہے۔ یہ اردو فارسی اور ترکی میں براہ راست عربی سے آیا ہے۔ یعنی کسی تبدیلی کے بغیر ان زبانوں میں مستعمل ہے۔

مدد کے لئے جرمنی زبان میں HELFEN ڈچ میں HELPEN انگریزی میں HELP اور اسرانتو میں HELPI ہے۔ جرمنی اور ڈچ میں "EN" اور اسپرانتو میں "I" لاحقے ہیں۔ باقی مادہ جرمنی میں HELF اور دوسری زبانوں میں HELP ہے۔ عربی میں اس کا ماخذ "حلف" ہے۔ جس سے "حلیف" بمعنی ساتھی مددگار معاہد بنا ہے۔

قاعدہ | علم لسانیات کے ماہرین نے اس امر کو بطور قاعدہ تسلیم کیا ہے کہ F (ف) اور P (پ) ایک دوسرے سے تبدیل ہو جانے والے حروف ہیں۔ اس قاعدے کی تصدیق اس امر سے ہوتی ہے۔ کہ لاطینی زبان میں "بھائی" کا مترادف FRATER ہے۔ جبکہ انگریزی میں BROTHER سنسکرت میں BHRATI اور یونانی میں PHRATER ہے۔ یعنی لاطینی کا F (ف) انگریزی میں B (ب) سنسکرت میں BH (بھ) اور یونانی میں PH (پھ) سے بدل گیا ہے۔ یاد رہے۔

کہ فارسی کا "برادر" اور پنجابی کا "بھرا" اور اردو کا "بھائی" اسی اصل کی شاخیں ہیں۔

اس قاعدے کی مزید تصدیق انگریزی کے کلمہ FATHER (باپ) سے ہوتی ہے۔ جو لاطینی میں PATER یونانی میں PATER اور سنسکرت میں PITRI ہے۔ گویا انگریزی کا F (ف) دوسری زبانوں میں P (پ) سے بدل گیا ہے۔

اسپرانتو جو یورپ کی جدید و قدیم زبانوں کی نمائندہ مصنوعی زبان ہے۔ اس میں "بھائی" کے لیے FRATO اور "باپ" کے لیے PATRO ہے۔ انگریزی میں FRATO اور PATRO کے مشتقات FRATERNAL (برادرانہ) اور PATERNAL (پدری) کی صورت میں ملتے ہیں۔

نتیجہ | اس قاعدے کی رو سے عربی ماخذ "حلف" سے ف ڈچ انگریزی اور اسپرانتو میں پ (F) سے بدل گیا ہے۔ اور جرمنی میں یہ تبدیلی واقعہ نہیں ہوئی۔ چنانچہ "حلف" کی پوری صورت HELF قائم ہے۔

غلط نظریہ | یورپ کے ماہرین لسانیات کا خیال ہے کہ جرمنی کا HELF اور انگریزی وغیرہ کا HELF سنسکرت کے KALP سے ماخوذ ہے۔

منطقی طور پر یہ ممکن ہے کہ اہل یورپ نے سنسکرت کے KALP کو HELF یا HELP کی صورت میں بدل کر اپنا لیا ہو لیکن قیاس اس امکان کی تائید نہیں کرتا۔ K (ک) کا H (ہ) سے تبدیل ہونا ایک حقیقت ضرور ہے۔ لیکن ح کا H کی صورت میں باقی رہنا زیادہ قرین قیاس ہے۔ اگر ہم HELF کا ماخذ KALP مان لیں تو ہمیں دو تبدیلیاں ماننی پڑتی ہیں۔ ایک P (پ) کا F (ف) میں تبدیل ہونا اور دوسرے K (ک) کا H (ح) میں تبدیل ہونا، لیکن عربی کو ماخذ مان لیا جائے۔ تو ان تکلفات سے نجات مل جاتی ہے۔ ہم K (ک) کا H (ح) سے تبدیلی کے قاعدے کو مانتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں مانتے کہ یہ قاعدہ جرمنی، ڈچ، انگریزی اور اسپرانتو میں استعمال ہوا ہے۔ ہمارا خیال ہے۔ کہ سنسکرت کا KALP عربی کے حلف سے بنا ہے۔ اور اس قاعدے کے مطابق بنا ہے کہ عربی کا ح (H) سنسکرت کے K (ک) سے بدل گیا ہے۔

مدد - ۲ | مدد کیلئے یورپائی زبانوں میں ایک دوسرا کلمہ AID ہے جو لاطینی میں AD فرانسیسی میں AIDER سپینش میں AYUDAR پرتگالی میں AJUDAR اور اطالوی میں AIUTARE ہے۔ ان کلمات میں لاحقوں کا استعمال ہوا ہے۔ لاحقوں کے حذف کر دینے کے بعد لاطینی کا مادہ AD رہ جاتا ہے جس کا تلفظ انگریزی میں اَید ہے، جو عربی کے یَد اور اَیْدٌ سے ماخوذ ہے۔ اَیْدٌ اپنی شکل و

صورت اور معانی و مفہوم کے اعتبار سے AID اور AD میں صاف نظر آرہا ہے۔

ہاتھ | مدد کے مفہوم میں ہاتھ کا مفہوم شریک ہے۔ اردو میں "ہاتھ بٹانا" اور فارسی میں "دستگیری" ہاتھ اور مدد کے مشترک مفہوم کی روشن دلیلیں ہیں۔ عربی میں یَد، اَیَّد، تائید وغیرہ بھی اسی حقیقت کو بے نقاب کرتے ہیں۔

انگریزی جرمنی، ڈچ، ڈینش اور سویڈش وغیرہ زبانوں میں ہاتھ کے لئے HAND کا کلمہ مستعمل ہے۔ اگر لسانیات کے عام قاعدے کے مطابق HAND میں H اور N کو زائد تصور کرلیا جائے تو باقی صرف AD رہ جاتا ہے۔ جو عربی کا یَد ہے۔ یاد رہے کہ A حرف الف کی آواز نہیں دیتا ی کی آواز بھی دیتا ہے۔ HAND کا تلفظ ہینڈ ہے۔ جس میں A نے "ی" کی آواز دے رہا ہے۔

قاعدہ | H (ہ) اور A (الف) ایک دوسرے سے بدل جاتے ہیں۔ فارسی میں "است" کی جگہ "ہست" بولتے اور لکھتے ہیں۔ اس قاعدے کی رو سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ HAND میں H A (الف) کی آواز دیتا ہے۔ اور A تو بہرحال "ے" کی آواز دیتا ہے۔ N (نون غنہ) کو زائد تصور کریں تو لفظ اَید رہ جاتا ہے۔ جس کے بارے میں بتایا جاچکا ہے کہ یہ عربی ہے۔

ہندی اور اردو میں ہاتھ اور ہاست استعمال ہوتا ہے جو HAND ہی کی ایک صورت ہے۔ جس میں D (د) کو T (ت) اور TH (تھ) سے بدل دیا گیا ہے۔

"ہاتھ" کو HAND سے ماخوذ بتانے میں یورپ کے ماہرین لسانیات ہمارے ساتھ متفق ہیں وہ مانتے ہیں کہ "ہاتھ" اور HAND ایک ہی ماخذ سے متعلق ہیں۔ اس سے ہمارے اس قول کی تائید ہوجاتی ہے کہ HAND میں N (نون غنہ) زائد ہے۔ اس لئے کہ اگر یہ زائد نہ ہوتا تو پھر ہاتھ میں بھی اسے ہونا چاہئے تھا۔

قاعدہ | D کا T (ت) اور TH (تھ) سے بدل جانا ایک قاعدہ کی بات ہے۔ لسانیات کے اس قاعدے کو جدید لسانیات کے علماء نے تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ انگریزی کا DOOR (دروازہ) یونانی میں THYRA ہے۔ اور سنسکرت کا DAM انگریزی میں TAME (مانوس کرنا) ہے۔

اس قاعدے کی رو سے HAND میں D "تھ" اور "ت" بن گیا ہے۔ اور N (نون غنہ) زائد ہے۔ H اپنی اصل حالت میں باقی ہے۔ اور تلفظ "ہاتھ" اور "ہات" بن گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہاتھ اور HAND کا ہم ماخذ ہونا جدید لسانیات کے علماء کے ہاں مسلّم ہے۔ ہمارا

دعویٰ صرف یہ ہے کہ HAND عربی کے ایَد اور یَد سے ماخوذ ہے۔ اس طرح ہندی اور اردو کا ہاتھ اور ہات بھی عربی الاصل بن جاتا ہے۔

عربی میں ایک لفظ "ھات" ہے۔ اس لفظ میں نہ صرف صوری اعتبار سے بلکہ کسی حد تک معنوی اعتبار سے بھی ہاتھ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اس طرح اگر ہم اردو کے ہات اور ہندی کے ہاتھ کو عربی کے ہات سے ماخوذ مان لیں۔ تو بات بالکل صاف ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ ہاتھ کا ماخذ معلوم ہو جانے کے بعد HAND کے ماخذ کی تلاش ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ "ہاتھ" اور HAND کا ہم ماخذ ہونا سب کے نزدیک مسلم امر ہے۔

قاعدہ: یہ ایک عام اور مانا ہوا قاعدہ ہے۔ کہ جب ایک زبان کا ایک لفظ کسی دوسری زبان میں جاتا ہے۔ تو اپنے جملہ معانی و مطالب اور خواص کے ساتھ نہیں جاتا۔ بلکہ ایک ادنیٰ سے تعلق یا علامت کو ساتھ لیکر جاتا ہے۔ اور بعض اوقات یہ علامت بھی مفقود ہو جاتی ہے۔

عربی کا لفظ "مسجد" اردو فارسی ترکی ملائی اور انڈونیشیائی زبانوں کے علاوہ یورپ کی زبانوں میں بھی گیا ہے۔ جہاں اسکی صورت MOSQUE ہے۔ لیکن کسی زبان میں بھی یہ لفظ اپنے ان عمومی مطالب و معانی اور خواص کے ساتھ نہیں پایا جاتا جو عربی میں اس سے وابستہ ہیں۔

ہاتھ - ۲ ہاتھ کیلئے یورپ کی جدید زبانوں میں ایک اور لفظ MANO ہے جو سپینش لاطینی اور اسپرانتو میں MANO فرانسیسی میں MAIN اور پرتگالی میں MAO ہے۔ اسکی ایک صورت انگریزی میں موجود ہے۔ MANUEL (دستور العمل) MANUFACTURE (دستکاری) ہمارا خیال ہے کہ یہ لفظ (MANO) بھی عربی سے ماخوذ ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

عربی میں ایک لفظ "آنس" ہے جس سے "مونس" اور "مانوس" مشتق ہیں۔ "مونس" اور "مانوس" ہونے کی سب سے زیادہ اور نمایاں صلاحیت انسان میں ہے۔ اس لئے "مانوس" سے مراد انسان ہے۔ مانوس کو اہل ہند نے مانس بنا لیا ہے۔ جس سے "بن مانس" کی ترکیب پیدا کی گئی ہے "بن" (جنگل) مانس (انسان) یعنی جنگلی انسان۔

انسان کیلئے ڈینش زبان MENNESKE ڈچ زبان میں MENSCH (منش) جرمن میں MENSCH اور انگریزی میں MAN ہے۔ سنسکرت میں یہ لفظ MANAS (مانس) ہے۔ اہل یورپ کی عادت ہے کہ تلفظ کے وقت کلمہ کے آخری حروف کو حذف کر دیتے ہیں۔ اس طرح عربی کا "مانوس" سنسکرت میں مانس بن گیا۔ اور اہل یورپ نے "مانس" کا آخری حرف "س" حذف کر کے مان اور پھر

"الف" کو "ے" سے بدل کر "مین" بنالیا ہے۔ ڈینش میں مانوس کا "س" موجود ہے۔ ڈچ اور جرمن زبانوں میں "س" "ش" (SCH) سے بدل گیا ہے۔ انگریزوں نے بالکل حذف ہی کر دیا۔ اس طرح عربی کا مانوس انگریزی کا مین (MAN) بن گیا ہے۔ اور "مین" یعنی آدمی کی خاصیت ہاتھ ہیں۔ اس نسبت سے ہاتھ کے لئے MANO اور MAIN وغیرہ کلمات اپنا لئے گئے ہیں۔

"و" یورپ کی بہت سی زبانوں میں لاحقہ بطور علامت اسم یا مبتداء کے آتا ہے۔ اسے حذف کر دیا جائے تو صرف MAN باقی رہ جاتا ہے۔ پرتگال والوں نے مزید تخفیف سے کام لیا اور صرف MA رہ گیا ہے۔

تبرکات و نوادر — قسط ۱

مشاہیر علماء کے خطوط

مکاتیبِ طیّب

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند
بنام حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مہتمم دار العلوم حقانیہ

تاریخ ساز شخصیتوں کے نجی خطوط بھی تاریخ کا ایک حصہ ہوتے ہیں ان سے مکتوب نگار کے احساسات اور کئی دوسرے صفات اور خصائل پر روشنی پڑتی ہے اور بسا اوقات ان میں علم و حکمت اور واقعات و تاریخ کا مواد بھی آجاتا ہے۔ برصغیر کے اعیان علم و فضل اور اکابر ملت کے ایسے خطوط کا ایک کافی ذخیرہ دار العلوم اور الحق کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ معلوم نہیں آئندہ اسکی مستقل اشاعت کا موقعہ ملے یا نہ ملے اس لئے بعض اکابر ملک و ملت کے چیدہ چیدہ خطوط ہم وقتاً فوقتاً الحق میں شائع کرتے رہتے ہیں۔ تاکہ یہ نوادر اور تبرکات دستبرد زمانہ سے محفوظ ہو سکیں۔ آج کی اشاعت سے ہم حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے نام عالم اسلام کے ممتاز اور اسلامی دنیا کی سب سے عظیم اسلامی یونیورسٹی دار العلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ کے مکاتیب بالاقساط پیش کریں گے۔ مکتوب الیہ حضرت شیخ الحدیث کی طالب العلمی اور پھر تدریس کا ایک کافی عرصہ دار العلوم دیوبند میں گذرا ہے۔ اسلئے ان خطوط سے مکتوب الیہ کی سوانح پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔ درمیانی نوٹ ایڈیٹر کے قلم سے ہیں۔ —— ادارہ ——

(۱) گرامی خدمت جناب مولانا عبدالحق صاحب زید مجدہ

بعد سلام مسنون آنکہ گذشتہ چند ماہ کے عرصہ میں جناب نے ... خدمت اور تعلیمی سلسلہ میں حسن کارکردگی کا ثبوت دیا ہے خدام دار العلوم اسکی قدر کرتے ہیں۔ اور آئندہ کے لئے جناب سے اچھی توقع رکھتے ہیں

ایسی حالت میں بے انصافی ہوگی ۔اگر ایسے حضرات کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے ۔چنانچہ جناب کی قابلیت شہرت اور مقبولیت کے پیش نظر یکم محرم الحرام ۱۳۶۳ھ سے جناب کو مستقل کیا جاتا ہے ۔ اور یکم ہی سے جناب کی اصلی تنخواہ مبلغ ساٹھ روپے ماہوار جاری کی جاتی ہے ۔ اطلاعاً تحریر ہے ۔

نحمدہٗ ونصلی

(۲) مخدوم ومحترم زاد مجدکم السامی

بعد سلام مسنون عرض ہے ۔ بندہ آج صبح ۶ بجے الحمدللہ بھوپال پہنچ گیا ۔ دیوبند میں شملہ سے واپس ہوکر قلدے تحریک نزلہ تھی ، وہ کل بڑھ گئی ۔اور سفر کی ہوا نے اسے اور تیز کر دیا ۔ ریل میں شب کو تمام رات بخار رہا صبح بخار ہی کی حالت میں بھوپال اترا ۔یہاں اسٹیشن پر سب حضرات موجود تھے ۔مولوی محمد یحیٰی سلمہٗ نے معالجہ شروع کیا ہے ۔ آج مسہل دیا ہے ۔سر بہت بھاری ہے ۔ اور بخار ہے ۔ جمعہ کے دن یہاں کے حضرات نے پہلے ہی سے تقریر کی منادی کر رکھی ہے ۔دیکھئے جمعہ تک طبیعت صاف ہوتی ہے یا کیا صورت ہے دعا فرمائیے طبیعت صاف ہونے ہی پر کسی سے ملنا جلنا کام کے سلسلے میں ہو سکتا ہے ۔ آپ کا پارسل کردہ سفرنامہ تو آج تک یہاں موصول ہوا نہیں اگر پرسوں واقعی روانہ ہوا ہے ۔ تو آج اُسے حتمی طور پر یہاں آجانا چاہیئے تھا ۔حضرت مولانا[۲] مدظلہٗ کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے ۔ میری تکلیف کے سلسلہ میں گھر اطلاع نہ کی جائے ۔ والسلام ۔

۱ے مکتوب الیہ مدظلہٗ ۱۳۴۷ھ سے ۱۳۵۱ھ تک بغرض تحصیل وتکمیل علم دارالعلوم دیوبند میں مقیم رہے ۔مولانا عبدالسمیع مرحوم مولانا مبارک علی دیوبندیؒ نائب مہتمم کے خطوط مطبوعہ الحق ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ سے معلوم ہوتا ہے ۔کہ اساتذہ دیوبند کے اصرار اور تقاضوں پر شوال ۱۳۶۲ھ میں بغرض تدریس دارالعلوم دیوبند میں آپکی تقرری ہوئی اس مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دو ڈھائی ماہ کا عرصہ بھی آپ کی تدریس پر نہیں گزرا تھا کہ شہرت اور مقبولیت کے پیش نظر یکم محرم ۱۳۶۳ھ سے آپ کو مستقل کیا گیا ۔ تنخواہ سے اس دور تک دارالعلوم کے اساتذہ کے زہد وقناعت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ آپ کی تدریس کے تمام زمانہ میں صاحب مکتوبات حضرت قاری محمد طیب صاحب مہتمم رہے ان کے خطوط سے آپ کے حسن کارکردگی حسن اعتماد اور ربط وتعلق پہ بخوبی روشنی پڑے گی ۔

۲ے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ ـــــ اس خط کی تاریخ نہیں پڑھی جا سکی ۔

(۳) محترم و معظم حضرت الاستاذ مولانا عبدالحق صاحب، زید مجدکم السامی

السلام علیکم۔ گرامی نامہ نے سرفراز فرمایا۔ الحمدللہ آپ کے بے ریا خلوص، جذبۂ خدمت اور سمع و طاعت کا اعتراف میرے صحیفۂ قلب پر ثبت ہے۔ آپ کی ذات میرے لئے ایک نمونہ ہے۔ اگر ہم سب دارالعلوم کے دائرہ میں ایسا ہی نمونہ پیش کریں۔ تو ہماری ترقی کا دائرہ بہت وسیع ہوجائے۔

مجلس انتظامیہ نے آپ کی استقلال کی پرزور سفارش کی ہے۔ امید ہے کہ شوریٰ میں قطعی کامیابی ہوگی — بحمداللہ خاندان میں خیریت ہے۔ دارالعلوم میں صحت کی رفتار اچھی ہے۔ شہر میں ہیضہ کے واقعات ہو رہے ہیں۔ دعائے خیر فرمائیے۔ محمد اعظم سلمہ کی حالت اب پہلے سے بہتر ہے۔ عزیزی قاری محمد سالم سلام عرض کرتا ہے۔ حضرت والد[1] صاحب کی خدمت میں سلام مسنون و استدعا دعا عرض فرما دیجئے۔

۱۷ $\frac{9}{62}$ ھ

---

(۴) برادرم محترم زید مجدکم السامی

بعد سلام مسنون عرض ہے۔ گرامی نامہ مورخہ ۶ $\frac{10}{62}$ ھ موصول ہوکر کاشف حالات ہوا۔ آپ عریضہ دیکھ کر روانہ ہوجائیں۔ کیونکہ ۱۶، ۱۷ سے اسباق شروع ہوجانے کا احتمال اور سعی بھی ہے۔ اس لئے پہلے پہنچ جانا ضروری ہے۔ میرا عریضہ آپ کو انشاء اللہ پرسوں گیارہ شوال کو مل جاوے گا۔ آپ جمعہ تک دیوبند پہنچ جائیں، اسباق سے پہلے امتحان داخلہ وغیرہ کی ضروریات میں بھی حضرات اساتذہ کی شرکت ضروری ہوتی ہے۔ والد صاحب قبلہ کی خدمت میں سلام نیاز حضرت نائب[2] صاحب اور دوسرے حضرات سلام فرماتے ہیں۔

۹ $\frac{10}{62}$ ھ

---

(۵) حضرت المحترم زید مجدکم السامی

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ بحمدللہ مع الخیر رہ کر مستدعی خدمت مزاج گرامی ہوں۔ دارالعلوم کی بعض ضروریات کے سلسلہ میں جناب سے چند امور میں گفتگو کرنی ہے۔ اور اس میں عجلت بھی ہے۔ اس لئے درخواست ہے کہ جناب پہلی گاڑی سے دیوبند کا قصد فرمالیں۔ اور عریضہ ملاحظہ فرماتے ہی روانہ

---

[1] حضرت قبلہ الحاج محمد معروف گل صاحب مرحوم راقم الحروف کے جد بزرگوار

[2] مولانا مبارک علیؒ نائب مہتمم المتوفی ۱۳۸۰ھ ۱۳۵۰ھ تا وفات نائب مہتمم رہے۔

ہو جائیں۔ آمد و رفت کا کرایہ یہاں پہنچ کر ادا کیا جائے گا۔ اس عریضہ کو اہم سمجھیں اور مہربانی فرما کر روانگی میں عجلت سے کام لیں۔ یہاں کے دوسرے اکابر کے مشورہ سے یہ عریضہ تحریر کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ اور عریضہ دیکھتے ہی قصد فرمایا جاوے گا۔ والسلام۔ ۱۰/۳/۶۲ھ

---

(۶) حضرت المحترم زید مجدکم

بعد سلام مسنون عرض ہے۔ کل ایک عریضہ ارسال خدمت کر چکا ہوں جس میں تشریف آوری کے لئے استعجال ظاہر کیا تھا۔ اب زیادہ عجلت نہیں رہی۔ اس لئے کافی غور و خوض کا موقع ہے۔ چونکہ ابتدائی عریضہ مجمل صرف طلب پر مشتمل تھا۔ اور کل کے عریضہ میں مقصد بھی ظاہر کیا گیا ہے۔ اس لئے جناب بھی غور فرمالیں۔ اور میرے عریضہ کا انتظار فرمالیں۔

حضرت والد صاحب کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ اور مزاج پرسی فرما دیجئے مفصل عریضہ دوسرے وقت روانہ کروں گا۔ ۱۲/۳/۶۲ھ

---

(۷) محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ حسب قواعد رخصت[1] مطلوبہ منظور ہے۔ امید ہے کہ آپ مع الخیر ہوں گے۔ والسلام ۱۰/۱۰/۶۵ھ

---

(۸) محترم المقام زید مجدکم

بعد سلام مسنون عرض ہے۔ کہ بحمد اللہ یہ احقر مع الخیر رہ کر مستدعی خیریت مزاج گرامی ہے دار العلوم میں اسباق شروع ہو چکے ہیں۔ لیکن آپ[2] کے اور مولانا عبد الحق صاحب[3] نافع اور مولانا محمد شریف[4] کے نہ پہنچنے سے سخت حرج اور نقصان واقع ہو رہا ہے۔ دار العلوم کی ضروریات کے پیش نظر یہ تجویز ذہن میں آئی ہے۔ کہ آپ اور دو حضرات دہ باہم مراسلت کے بعد کوئی تاریخ متعین فرمالیں۔ اور اس تاریخ میں لاہور پہنچ جائیں۔ لاہور سے ایک تو ہوائی جہاز کی سروس دہلی کو چلتی ہے۔ جس میں عام لوگ سفر کر سکتے ہیں۔

---

[1] تعطیل رمضان پر گھر سے مزید رخصت طلب کرنے کے سلسلہ میں۔ "س"

[2] [3] [4] (اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

لیکن اس میں آپ کا آنا کسی طرح مناسب نہیں ہوگا۔ کہ وہ آپ کو دہلی پہنچائے گی۔ اور دہلی خود خطرناک حالات سے گذر رہی ہے۔ نیز دہلی سے دیوبند پہنچنا بھی بحالات موجودہ سخت مشکل اور خطرناک ہے۔ البتہ لاہور کے بااثر افراد کی کوشش سے فوجی جہاز میں آپ کو جگہ مل جائے تو وہ لاہور سے آپ کو سہارنپور پہنچا دے گا۔ سہارنپور سے دیوبند کا سفر بھی گو کسی حد تک مشکل ہے۔ لیکن بہرحال آمد و رفت جاری ہے۔ اور آپ حضرات کا پہنچنا انشاء اللہ ممکن ہو سکے گا۔ لاہور سے سہارنپور تک کے ہوائی جہاز کے کرایہ میں ریل کے تھرڈ یا انٹر کلاس کا کرایہ جو آپ دیں گے۔ آپ کے حساب میں وضع کر کے زائد صرفہ مدرسہ ادا کر دیگا امید ہے کہ آپ تینوں حضرات باہم مراسلات کے بعد لاہور پہنچنے کی کوئی تاریخ متعین فرمالیں گے۔ اور لاہور کی اس سعی کی بابت بھی اس میں مشورہ فرمالیں گے۔ اور اگر ارادہ تشریف آوری کا کیا جائے گا۔ تو بذریعہ ہوائی ڈاک یا تار اسکی مجھے اطلاع دی جائے گی۔ مولانا عبدالحق صاحب نافع اور مولانا محمد شریف کا پتہ آپ کو لکھ رہا ہوں۔ تاکہ آپ ان سے براہ راست خط و کتابت کر سکیں۔ مجھے توقع ہے کہ مدرسہ کی موجودہ ضروریات کے پیش نظر آپ بنام خدا سفر کا ارادہ فرمالیں گے۔ اور حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے یقین

۱؎ ۱۹۴۷ء کے ہولناک واقعات نے تقسیم کی شکل میں راستے مسدود کر دیئے۔ مکتوب الیہ مدظلہ بھی تعطیلات رمضان (۱۳۶۶ھ) میں گھر تشریف لائے تھے۔ ان تینوں جید اساتذہ سے یکایک دارالعلوم میں جو کمی واقع ہو رہی تھی اس کا پر کرنا امر دشوار تھا۔ اس خط میں بلکہ تقسیم کے بعد بھی کافی عرصہ تک دارالعلوم دیوبند سے کافی کوشش جاری رہی کہ یہ حضرات کسی طرح وہاں پہنچ کر تدریسی کام دوبارہ شروع کر سکیں۔ مگر حالات کے غیر یقینی اور مخدوش ہونے کی وجہ سے حضرت مکتوب الیہ مدظلہ کے والد بزرگوار مرحوم ایسے حالات میں دیوبند جانے کی اجازت دینے پر آمادہ نہیں ہو رہے تھے۔ ادھر مشیت ایزدی کو اسی سرچشمہ فیض سے دارالعلوم حقانیہ کی شکل میں ایک نہر جاری کرانا منظور تھا۔ اور بہت جلد بغیر اسباب وسائل پردۂ غیب سے یہ دینی ادارہ ظہور پذیر ہوگیا۔

۲؎ علامہ مولانا عبدالحق نافع کاکاخیل جو گھر پر مقیم ہیں۔

۳؎ حال شیخ الحدیث مدرسہ خیر المدارس ملتان۔　　　(مرتب)

ہے۔ کہ وہ بخیریت آپ کو منزلِ مقصود تک پہنچا دے گا۔ دارالعلوم میں بحمد اللہ خیریت ہے۔ امید ہے کہ آپ بھی بخیریت ہوں گے۔　　والسلام　　۳۰ / ۱۰ / ۶۶ھ

دونوں حضرات کے پتے

۱۔ مولانا عبدالحق نافع۔ مقام زیارت کاکا صاحب
تحصیل نوشہرہ۔ صوبہ سرحد

۲۔ مولانا محمد شریف صاحب کشمیری۔ مقام رام پرد پتن کٹیر پوسٹ پلندری
ریاست پونچھ کشمیر

---

(۹) حضرت المحترم زیدیت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، گرامی نامہ صادر ہوا۔ آپکی خیریت سے اطمینان ہوا۔ دارالعلوم میں بحمد اللہ تو اس پورے دور[1] اطمینانی میں امن و اطمینان رہا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان ہے۔ ضلع سہارنپور میں مختلف مواقع پر ہنگامے اور فسادات ہوئے۔ مگر اب پندرہ بیس دن سے الحمد للہ کلی امن و سکون ہے۔ سہارنپور کے موجودہ کلکٹر نے نہایت تندہی اور تدبّر سے کام لیا اور ازکدم امن قائم کر دیا۔ اب تقریباً پورے ملک میں بہ نسبت سابق کے امن و اطمینان ہے۔ جو کمی ہے وہ بھی انشاء اللہ تعالیٰ آپ حضرات کی دعاؤں اور توجہات سے پوری ہو جائے گی۔ اس دور بے امنی میں البتہ جو جانیں آبروئیں، اموال تلف ہوئے ان کا کوئی تدارک نہیں ہے۔ سب سے زیادہ صدمہ دہلی اور مشرقی پنجاب کی تباہی کا ہے۔ صوبہ کا صوبہ ہی اکھڑ گیا۔ دہلی گیارویں مرتبہ اجڑی۔ اور اس کے آثار تمدن برباد ہوئے۔ مگر یہ محض اللہ کا فضل ہے۔ کہ دارالعلوم اور اس کے کاموں پہ کوئی آنچ نہیں آئی — بحمد اللہ تعالیٰ تعلیم کا کام بدستور سابق جاری ہے۔ البتہ آپ حضرات کی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ آپ کے اسباق باہم بانٹ لئے گئے ہیں۔ دارالعلوم کے اجزاد و اعضاء نے قیام امن کے لئے کافی مساعی کیں اور فسادات کے رخنے بند کئے۔ والحمد للہ۔

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کلی امن و سکون دے اور فرقہ وارانہ فسادات سے نجات عطا فرمائے ملک کے ہر فرد کو حقیقی آزادی اور حقیقی آسائش میسّر آئے۔ آمین۔ آپ حضرات بہرحال قیام امن کے

---

[1] تقسیم پاک و ہند کا پر آشوب زمانہ۔ "س"

بعد ہی تشریف لا سکتے ہیں۔ دونوں حکومتیں غالباً اس کی سعی تو کر رہی ہیں۔ کہ یہ موانع اٹھ جائیں۔ اور اس کے ساتھ سفر شروع ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نیتوں کو درست فرمادیں اور ملک کا ہر ہر فرد اس سعی میں لگ جاوے کہ اس ملک سے منافرت دور کرنی ہے۔ اور اس واتحاد پیدا کرنا ہے۔ اب تک کی پیدا کردہ منافرت[1] نے ملک کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ سید[2] مرحومین کا حادثہ حقیقتہً شدید ہوا۔ اللہ کی مرضی تھی ——
مرضیٔ مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ دعا میں یاد فرمایا جاوے۔ والسلام ۲۳/۱/۶۷ھ

---

(۱۱) حضرت مخدومی المحترم زید مجدکم

بعد سلام مسنون عرض ہے۔ کہ گرامی نامہ نے مشرف فرمایا یاد آوری کا ممنون ہوں۔ آپ حضرات کی جدائی شاق ہے۔ مگر مجبوری کیا کیا جاوے۔ تعلیمی سلسلہ میں آپ کے نہ ہونے سے خصوصاً کمی محسوس ہو رہی ہے۔ تاہم اسباق کا بندوبست کر لیا گیا ہے۔ اس سال تو گویا تشریف آوری مشکل ہی ہے۔ وقت بھی تعلیم کا اب دو ہی ماہ رہ گئے ہیں۔ حق تعالیٰ عافیت رکھے تو سال آئندہ ہی انشاء اللہ آمد ہوگی۔ پرسان حال حضرات کی خدمت میں سلام مسنون۔ یہاں بحمد اللہ بہمہ وجوہ خیریت ہے۔ کل سالم[3] سلمہ کا نکاح ہے بعد جمعہ۔ دعا خیر و برکت فرمائیے۔ متعلقین کی خدمت میں سلام مسنون۔
طلبہ[4] کی جمعیت کیطرف رسالہ دار العلوم[5] کا شکریہ پہنچا تھا۔ ان سب سے میرا سلام فرما دیجئے اللہ تعالیٰ انہیں علم نافع عطا فرماوے۔ ۱۳/۵/۶۷ھ

---

[1] اور اب تو اس منافرت کے عفریت کی تباہ کاریاں روز روشن کی طرح ظاہر و باہر ہو چکی ہیں۔

[2] دیوبند کے شرفاء میں سے تھے اور حضرت قاری صاحب مدظلہ کے قریبی رشتہ دار تھے اس پر آشوب دور کے ہنگاموں کے دوران جام شہادت نوش کیا۔ ایک کا نام سید محتشم تھا۔ دوسرے بھی ان کے سگے بھائی تھے جن کا نام اس وقت معلوم نہ ہو سکا۔

[3] حضرت مدظلہ کے بڑے صاحبزادہ مولانا قاری محمد سالم قاسمی مدرس دار العلوم دیوبند

[4] دار العلوم حقانیہ کی جمعیۃ الطلبہ مراد ہے۔

[5] دار العلوم دیوبند کا علمی و دینی ترجمان ماہنامہ دار العلوم۔

(۱۲) حضرت مولانا المحترم دام مجدکم

سلام مسنون! کئی دن ہوئے آپ کا خط ملا تھا۔ میں اسی دوران میں عدیم الفرصت رہا۔ اور چند سفر بھی پیش آ گئے۔ اس لئے جواب میں تاخیر ہوئی۔ آپ نے اپنے وطن میں جو مدرسہ[۱] قائم فرمایا ہے اس کے حالات معلوم کرکے مجھے دلی مسرت ہوئی۔ دل وجان سے دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ اس مدرسہ کو ترقی عنایت فرمادے۔ آپ حضرات کو دینی اور علمی خدمات کی زیادہ سے زیادہ توفیق میسر ہو۔ اور عام مسلمان دینی علوم سے بہرہ ور ہوں۔ حسب المطلب فارم جدید و قدیم آج کی ڈاک سے ارسال ہے دستور جدید ابھی تک طبع نہیں ہوا۔ طباعت کے بعد ارسال خدمت ہوگا۔ دارالعلوم میں الحمدللہ خیروعافیت ہے۔ جناب نائب مہتمم صاحب، اہل دفتر اور تمام پرسان حال حضرات سلام فرماتے ہیں۔ اپنی خیریت اور حالات سے گاہ بگاہ اطلاع فرماتے رہیں۔ والسلام۔ ۲۷-۱۱-۶۸ھ

---

(۱۳) محترم المقام زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ نے مجھے ممنون فرمایا۔ آپ کی یادآوری اور محبت وخلوص سے بیحد خوشی ہوئی۔ حق تعالیٰ آپ حضرات کے اس تعلق ومحبت کو قائم رکھے۔ اور آپ کا یہ محبوب ادارہ ہمیشہ آپ کی خدمات انجام دیتا رہے۔ یہاں بحمداللہ خیروعافیت ہے۔ اور حالات رو بہ اعتدال ہیں۔ دارالعلوم میں سب اساتذہ وطلبہ عافیت سے ہیں۔ جملہ پرسان حال حضرات کی خدمت میں سلام مسنون عرض ہے۔ امید ہے۔ کہ آپ کے مزاج بخیر ہوں گے۔ والسلام۔ ۱۳-۱-۶۹ھ

---

(۱۴) حضرت المحترم زید فضلکم

بعد سلام مسنون عرض ہے۔ احقر بحمداللہ مع الخیر ہے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی مع متعلقین بعافیت ہوگا۔ عرصہ سے ارادہ کر رہا تھا۔ کہ مافی الضمیر لکھوں۔ مگر سہو ونسیاں کا اللہ بھلا کرے اس محنت سے سبکدوشی رہی۔ آج ایک محرک پیدا ہوگیا۔ اس لئے عرض کرنے کی نوبت آگئی۔ مجھے ایک پھدغہ[۲] یا لمبے کوٹ کی ضرورت ہے جو عموماً اونی پٹو کے بنے ہوئے ہوتے ہیں اور ان پر آستین اور

---

[۱] دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک [۲] مدرسہ کے تمام دفتری اور انتظامی امور کو مادر علمی دیوبند ہی کی نہج پر چلانا تھا۔ اور اس سلسلہ میں اس طرح کا غذات طلب کئے جاتے تھے۔ (مرتب)

پشت اور سامنے ساز بھی سلا ہوا ہوتا ہے۔ میرے پاس چترال کے پٹو کا ایک چوغہ ہے ابھی مگر وہ پندرہ سال کے استعمال سے اب ناقابل انتفاع ہوگیا ہے۔ نئے کی ضرورت ہے کہ یہ چوغے عموماً شتری رنگ کے ہوتے ہیں اس لئے حسب ذیل امور کی رعایت فرماکر ایک چوغہ خرید لیا جائے۔ چوغہ کا رنگ وہی شتری ہو یا بادامی رنگ کا مائل بسفیدی یا سرمئی رنگ جو مائل بسفیدی ہوتا ہے۔ اس پر جس ساز یعنی حاشیہ پر بیل داغ اور دامنوں کے کونوں پر جو (....؟.....) سلے ہوتے ہیں۔ چوغہ کے رنگ سے الگ اور ممتاز ہوں۔ یعنی کپڑے اور ساز کا رنگ ایک نہ ہو۔ ورنہ وہ ساز نمایاں نہیں رہتا۔

چوغہ کا انداز شیروانی کا سا ہو۔ مگر گھیر یعنی دامنوں کی چوڑائی کافی ہو۔ گھیر اچھا ہو۔ اس میں چار جیبیں ہوں دو نیچے مگر دو سامنے نہ ہوں۔ بلکہ ان کا دہانہ پہلو میں ہو۔ اور دو سینہ پر جس میں گھڑی وغیرہ رکھی جاسکے میرا بدن آپ کے بدن ہی کی پیمائش کا ہے۔ لہٰذا آپ پہن کر اپنے بدن سے اُسے مطابق فرمالیں۔ اکثر بنے بنائے بھی مل جاتے ہیں۔ یا بنوالیا جائے۔ اس کی جو قیمت ہو۔ بندہ کو لکھ دیا جائے وہ آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔ چوغہ کے بھیجنے کی صورت یہ ہے کہ جناب یہ چوغہ حسب ذیل پتہ پر بھجوادیں۔ وہاں سے میرے پاس پہنچ جائے گا۔ بشرطیکہ مارچ کے مہینے کے اندر اندر لائل پور پہنچ جائے۔ حضرت مولانا محمد صاحب لائلپور محلہ سنت پورہ مدرسہ تعلیم الاسلام۔

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔ جب سے یہ چترالی چوغہ پھٹا، روئی کا چوغہ نہیں پہنا جاتا۔ اس لئے تکلیف دی گئی۔ تکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں۔ سب حضرات اساتذہ کی خدمت میں سلام مسنون۔ والسلام امید ہے کہ جواب سے سرفراز فرمایا جائے گا۔

۹ ش/ ۷۲

---

(۱۴) حضرت الکرم المحترم زید فضلکم۔ سلام مسنون نیاز مقرون کے بعد عرض ہے کہ بحمد اللّٰہ مع الخیر رہ کر مستدعی خیریت مزاج گرامی ہوں۔ آج بذریعہ بھائی محمد اختر صاحب لاہور سے چوغہ پہنچا۔ تبرک بھی ہے تزئین بھی ہے، تجمل بھی ہے اور تذکر بھی ہے۔ انتہائی خوشی و مسرت ہوئی جناب کا اتنی توجہ فرمانا اور زحمت فرمانا باعث مسرت و ابتہاج ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کے مراتب میں بلندی اور ترقی عطا فرمائے۔ بدن پر بھی مطابق آیا۔ ہر طرح سے اعلیٰ و بہتر ہے۔ اب بے تکلف عرض ہے کہ اس کی قیمت بھی تحریر فرمادی جائے۔ یہاں بحمد اللّٰہ تعالیٰ بہمہ وجوہ خیریت ہے۔ نائب صاحب سلام فرماتے ہیں۔ اور سب طرح خیریت ہے۔ پرسان حال حضرات کی خدمت میں سلام فرمادیں۔ آپ حضرات کی جدائی واقعہ یہ ہے، شاق ہے، مگر مرضی خداوندی مدرسہ میں خیریت ہے۔ مدرسہ حقانیہ کے حضرات کو سلام مسنون اور استدعائے دعا۔ والسلام ۱۲ ۲/ ۷۳ ھ

(باقی آئندہ)

مولانا سلطان محمود ناظم دفتر اہتمام

احوال و کوائف دار العلوم حقانیہ

عرب اسرائیل جنگ میں مہتمم دار العلوم حقانیہ کے پیغامات ہمدردی اور عرب سفراء کے جوابات

حالیہ عرب اسرائیل جنگ نہ صرف عرب ممالک بلکہ تمام عالم اسلام کی طرح دار العلوم حقانیہ کے لئے بھی بحیثیت ایک علمی و دینی مرکز کے نہایت اہمیت کا حامل رہا، دار العلوم میں عربوں کی مکمل فتح کی دعاؤں کا سلسلہ جاری رہا۔ شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مدظلہ نے ایک اخباری بیان میں اس معرکہ کو اسلام اور کفر کا جہاد قرار دیتے ہوئے تمام مسلمانوں بالخصوص پاکستان کی حکومت سے مطالبہ کیا کہ تمام ممکنہ وسائل سے اس جنگ میں عربوں کی مدد کی جائے، مہتمم دار العلوم شیخ الحدیث مولانا عبد الحق نے اس ضمن میں مصر، شام، عراق، سعودی عرب اردن کویت، مراکش کے سفراء کرام مقیم اسلام آباد کے نام ہمدردی کا ایک مفصل ٹیلیگرام پیش کیا جس میں فتح و نصرت خداوندی کی دعائیں اور مکمل تعاون کی پیشکش کی گئی تھی، عرب ممالک کے محترم سفراء نے جواباً نہ صرف شکریہ کے ٹیلیگرام بھیجے بلکہ اپنے اپنے خطوط میں بھی پوری قوم کے لئے جذبات تشکر کا اظہار کیا۔ یہاں ہم ایسے خطوط کے بعض اہم حصوں کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔ تاکہ پاکستانی بھائیوں کو بھی عربوں کے احساسات معلوم ہو سکیں۔

سفیر مصر جناب علی خشبہ | آپ کے ٹیلیگرام کا بہت بہت شکریہ، میں آپ کے جذبات، عالمگیر احساسات اور ہمدردی کو بنظر استحسان دیکھتا ہوں۔ جو عرب بھائیوں کے لئے آپ کے دل میں موجزن ہیں اسرائیل کا ظلم و عدوان صرف عرب ملکوں کے لئے نہیں بلکہ جملہ عالم اسلام کے لئے ہے، ہمیں یقین ہے۔ کہ سچائی غالب آئے گی، خدا کے فضل اور آپ پاکستانی بھائیوں کی دعا اور امداد سے ہم اپنے مشترکہ دشمن کے خلاف فتح حاصل کریں گے۔

سفیر شام جناب عبد العزیز علیونی | آپ کے مشفقانہ جذبات اور امداد کا مجھ پر گہرا اثر ہوا ہے۔ جو

آپ نے ہمارے مشترکہ دشمن کے خلاف اسرائیل کے خلاف ہماری جدوجہد میں فرمائی ہے۔ درحقیقت
آپ کی دعا اور پاکستان سمیت تمام عالم اسلام کی فیاضانہ امداد کی بدولت ہمارے اقدار کو اسرائیل کے خلاف
جہاد میں تقویت ملی۔ میں یقین کرتا ہوں کہ آپ کی مخلصانہ ہمدردی ہمارے دلوں کی گہرائی میں اتر کر عالمگیر رشتہ
اخوت کو مزید مستحکم کرنے کا باعث بنے گی اور آئندہ ہمارے دونوں ملکوں کا رشتہ اتحاد اور ربط اور
زیادہ مضبوط بنیادوں پر استوار ہوگا۔ خدا آپ اور آپ کے خاندان پر رحمتوں کا نزول فرمادے۔

محترم سفیر عراق | مجھے یقین ہے کہ آپ لوگوں کی اخلاقی اور مادی امداد عربوں کے ارادوں کی مضبوطی
کا باعث ہوگی۔ تاکہ وہ انصاف اور اپنے جائز حقوق حاصل کرنے میں جدوجہد جاری رکھ سکیں اور مقبوضہ
علاقوں کی آزادی اور مکمل فتح میں کامیاب ہوجائیں۔

محترم سفیر اردن | جناب کی مہربانی ہوگی کہ اللہ پاک کے دربار میں عربوں کی کامیابی کے لئے دعا
کریں جبکہ وہ ناانصافی اور ظلم کے خلاف جنگ میں برسرپیکار ہیں۔

جناب سفیر مراکش | سفارتخانہ مراکش عربوں کے اتحاد اور اسرائیل کے خلاف ان کی مقدس جنگ
میں ہمدردی پر آپ کا بے حد مشکور ہے۔ مراکش کے علماء کو بھی جناب کا پیغام پہنچا دیا جائے گا۔

سعودی عرب اور کویت نے بھی جوابی تاروں میں پاکستانی مسلمانوں سے دعا اور ہر طرح کے
تعاون کی اپیل کی۔

مجلس شوریٰ کا جلسہ

دارالعلوم حقانیہ کی مجلس شوریٰ کا سالانہ اجلاس یہاں دارالحدیث میں مولانا الحاج میاں مسرت شاہ صاحب
کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں ملک کے دور دراز سے دارالعلوم کے ارکان شوریٰ نے شرکت کی اور دارالعلوم
کے نئے بجٹ کی منظوری کے علاوہ مختلف ترقیاتی تجاویز اور منصوبوں پر غور کیا گیا۔ شیخ الحدیث مولانا
عبدالحق صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ نے سال گذشتہ کے مختلف شعبوں کی کارگذاری پیش کرتے ہوئے
کہا کہ مختلف تعلیمی اور تنظیمی شعبوں پر پچھلے سال دو لاکھ گیارہ ہزار سات سو انہتر روپے پچیس پیسے خرچ ہوئے۔
جبکہ آمدنی دو لاکھ اکتالیس ہزار تین سو چون روپے انسٹھ پیسے ہوئی۔ سال رواں کے لئے آپ نے دو لاکھ
ساٹھ ہزار تین سو پچھتر روپے (میزانیہ) پیش کیا۔ جس کو ارکان نے غور و خوض کرنے کے بعد منظوری دی۔ بجٹ
کی رو سے تقریباً بیس ہزار روپے کا خسارہ ہے۔ مگر توکلاً علی اللہ متوقع آمدنی کے پیش نظر اسکی منظوری دیدی گئی۔
شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ نے اپنی مبسوط تقریر میں علوم دینیہ اور مدارس دینیہ کی اہمیت پر زور دیا۔ نیز مشرق وسطیٰ کی
حالیہ جنگ میں عربوں کی مکمل فتح کی دعا کی گئی اور عرب مسلمانوں کو ممکنہ تعاون کی پیشکش کی گئی۔ مجلس شوریٰ نے دارالعلوم کے اساتذہ
عملہ اور شعبہ تعلیم القرآن کے عملہ کی تنخواہ میں اضافہ کی بھی منظوری دی۔ میزانیہ کا نقشہ ملاحظہ فرمادیں۔

نقشہ میزانیہ برائے سال رواں ۱۳۹۳ھ و اخراجات ۱۳۹۲ھ

مدات خرچ	اخراجات ۱۳۹۲ھ			میزانیہ ۱۳۹۳ھ	
	پیسے	روپے		پیسے	روپے
مطبخ	۰۱	۶۳ ۸۲۵		-	۷۰ ۰۰۰
ڈاک	۸۱	۱ ۴۰۱		-	۱ ۴۰۰
نقد امداد	۸۷	۱۸۶		-	۲۰۰
کرایہ مکانات	-	۲۲۵		-	۲۴۰
روشنی و فٹنگ	۲۴	۲۹۶۳		-	۲ ۷۰۰
صابن	۲۴	۱۹۱۲		-	۱ ۶۰۰
رسائل و اخبارات	۴۶	۱۸۱		-	۲۵۰
اشاعت	۵۰	۵۵۶		-	۶۰۰
امتحانات	۴۴	۳۸۰		-	۴۰۰
کتب خرید و مرمت	۵۵	۱۱۱۶		-	۱ ۴۰۰
باغیچہ	۵۰	۱۶۵		-	۱۰۰
تبلیغ	۲۵	۵۵		-	-
سفارت	۴۸	۱۳ ۱۵۴		-	۱۳ ۰۰۰
سٹیشنری	۳۳	۷۷۵		-	۴۰۰
تنخواہ مدرسین و ملازمین	۸۰	۵۶ ۲۶۹		-	۶۳ ۰۰۰
تعلیم القرآن	۱۷	۱۶ ۲۱۸		-	۱۸ ۰۰۰
مرمت واٹر پمپ	۹۹	۸۰۸		-	۱۸۰
سامان خرید و مرمت	۵۶	۱ ۸۵۷		-	۱ ۵۰۰
آب رسانی	۸۷	۶۹		-	۹۷۰
متفرق	۹۵	۱۸۲		-	۳۸۰
تعمیر دارالاقامہ و مرمت	۳۳	۲۶ ۳۳۷	مرمت تعمیر تعلیم القرآن	-	۵۷۳
تعمیر گودام و مطبخ	۱۹	۱۲۱۵		-	-
ٹیلیفون	۳۲	۱۴۴۵		-	۱ ۲۰۰
آڈٹ	-	۱۸۰		-	۲۰۰
ماہنامہ الحق	۲۴	۱۹ ۷۲۶		-	۲۲ ۰۰۰
بنک کمیشن	۴۰	۱۸		-	۲۰
مرمت تعمیرات	۷۵	۳۴		-	۵ ۰۰۰
فرنیچر	-	۹۰		-	-
فیس وفاق المدارس	-	۴۱۵		-	۴۱۵
			لاؤڈ سپیکر خرید	-	۱۵۰۰
			تعمیر کتب خانہ	-	۱۵ ۰۰۰
			تعمیر مہمان خانہ	-	۱۰ ۰۰۰
			سالانہ جلسہ	-	۱۲ ۰۰۰
			دستار فضلاء	-	۱۲ ۰۰۰
			واپسی قرضہ ماخوذہ	-	۴۱۵۰
میزان	۲۵	۲,۱۱,۷۶۹	میزان	-	۲۶۰ ۳۷۸